مریضِ عشق

مومنہ جمیل

نوٹ: مریضِ عشق پاک سوسائٹی کے لئے لکھی گئی خصوصی تحریر ہے۔

"مانو!" اس نے کھڑکی میں کھڑے چاند کو تکتے ہوئے۔ سریلی آواز میں (اس کے خیال میں) مناہل عرف مانو، کو پکارا۔

"کیا ہے؟" نیند میں ڈوبی مانو اس پکار پر خاصی بیزار ہوئی۔

"مانو تجھے پتہ ہے میرا دل کیا چاہتا ہے؟ کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"بے بے کے چھتر ہوں اور تیرا سر ہو۔" مانو نے بیزاریت بھرے لہجے میں حنین کی بات کاٹ کر اپنے انداز میں مکمل کی۔

"ڈر فٹے منہ تیرا۔ سارے موڈ کا ستیا ناس مار دیا۔" شہد میں ڈوبی حنین کی آواز یکدم اپنی اصل پاٹ دار حالت میں لوٹی۔

"لو سچ بولنے کا تو زمانہ ہی نہیں۔ ظاہر ہے، بے بے تجھے رات کے اس پہر یوں کھڑکی میں کھڑے ہو کر چاند کو تکتے ہوئے میٹھی میٹھی مسکراہٹیں بکھیرتے دیکھے گی تو سو فیصد سچ بات ہے کہ بے بے تجھے چھتر مارے گی اور یہ ہی نہیں، دیوداس فلم کی پارو کی ماں کی طرح ایک ہفتے کے اندر اندر تیرے ویاہ کا الٹی میٹم بھی جاری کر دے گی۔" مانو نے تفصیل سے بے بے کے متوقع ری ایکشن کا نقشہ کھینچا۔

''شکل چنگی نہ ہو تو کم از کم بندے کو بات چنگی کر لینی چاہیئے، صحت پر چنگا اثر پڑتا ہے۔''بظاہر اسے کڑے تیوروں سے گھورتی اور کھری کھری سناتی حنمین کا دل یکدم ڈوب کر ابھرا۔وہ فوراً بستر کی طرف لپکی۔

''مانو!''پوری طرح سے خود پر لحاف اوڑھے ہوئے تھی۔اس نے ایک بار پھر مانو کا پکارا۔

''اب کیا مصیبت ہے؟''نیند کی وادی میں ڈوبتی مانو کو ایک بار پھر ہوش کی دنیا میں لوٹنا پڑا۔

''میں سوچ رہی تھی کہ خواہ مخواہ ہم نے ایف۔ایس۔سی لاہور سے کی۔ہاسٹل جا کر عیش کرنے کے جتنے بھی خواب تھے پڑھائی کے لوڈ سے سارے چکنا چور ہوئے۔سچ بتا رہی ہوں اگر بے بے کے چھتروں اور ارینج میرج کا ڈر نہ ہوتا تو میں نے کوئی نہیں تھا پڑھنا۔'' اس نے منہ بنایا۔

''کہہ تو تُو ٹھیک رہی ہے اتنا پڑھ کر،آیا تو پھر بھی اے گریڈ تھا وہ تو سندھ میں بنا پڑھے بھی آجاتا ہے۔''حنمین کی بات پوری توجہ سے سنتی مناہل نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔مانو کی بات سن کر حنمین کی آنکھیں چمکیں۔

''مانو میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔''حنمین نے یکدم اٹھ کر بیٹھتے ہوئے خاصے جوش سے کہا۔جبکہ مانو نے اسے کن اکھیوں سے دیکھا۔

''ریہن دے،توں تے تیرے آئیڈیے۔''مناہل نے منہ بنایا۔

حنمین کو سخت غصہ آیا۔اس نے کشن اٹھا کر مانو کی طرف اچھالا اور لیٹ کر رخ

بدلتے ہوئے پورا کا پورا لحاف چہرے تک خود پر اوڑھ لیا۔

مانو نے کچھ دیر اسے گھورا، پھر وقت دیکھا۔ گھڑی رات کے ساڑھے بارہ بجا رہی تھی، جبکہ گاؤں میں تو رات کے نو بجتے ہی آدھی رات کا سا سماں ہو جاتا تھا۔ مناہل بھی آنکھیں بند کر کے سوتی بن گئی۔



اگلی صبح بڑی دلنشین طلوع ہوئی تھی۔ سارے آسمان پر جا بجا بادلوں کا راج تھا کالی گھٹائیں، برساتے بادل، مانو کو تو بڑے دلنشین لگے۔ اوپر سے گرما گرم چائے کا اپنا ہی مزہ تھا۔ وہ کب سے صحن میں برستی بارش کا نظارہ تکے جا رہی تھی۔ حنین کے کہنی مارنے پر ذرا کسمسائی۔

"کیا ہے؟" اس نے منہ بنایا۔

"مجھے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ پر میرا خیال ہے تجھے بارش پر بڑا پیار آ رہا ہے جو دیکھے ہی جا رہی ہے۔" حنین نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"سو تو آ رہا ہے۔" اس کے مطلب سے یکسر بے پرواہ وہ مسکرائی۔

"ہونہہ۔۔۔۔" حنین نے ہنکارا ابھرا۔

"اتنی لمبی ہوں کس خوشی میں۔۔۔" مانو نے ایک نظر اس پر ڈال ہی لی۔

"یونہی، میں سوچ رہی تھی کہ تیرا کوئی بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔"

"کیا مطلب؟" مانو اٹھی۔

"بھئی مطلب کیا ہوتا ہے۔ بس آجکل تو بڑی آوازار (بیزار) پھرتی ہے۔ اوپر سے

تنہائی پسند بھی ہوتی جا رہی ہے۔ یہ ساری نشانیاں ویسے تو عشق کی ہوتی ہیں مگر چونکہ میں بچپن سے اب تک لمحہ بہ لمحہ تیرے ساتھ ہی ہوں، اس لیے میرا نہیں خیال کہ ایسا کوئی چکر ہے۔ اب تُو میرے اندازے کی تصدیق کر۔ سہی یا غلط۔"

اس نے چائے کا کپ مانو سے لے کر لمبا سا گھونٹ بھرا۔ مانو نے پہلے تو اس بد تمیزی پر اسے گھورا پھر اپنا کپ واپس چھینتے ہوئے اس کی کمر پر دھمو کا جڑا۔

"بالکل سہی۔ واقعی! فل حال ہم مریضِ عشق نہیں ہوئے۔" اس نے مصنوعی مسکراہٹ دکھائی۔

"آہ۔۔۔" حنمین کراہ کر رہ گئی۔

"توبہ مانو! کتنا کھاتی ہے تُو، بڑی جان ہے تجھ میں۔"

"ظاہر ہے دیسی خوراکیں کھائیں ہیں۔ نظر تو آئیں گی ہی۔" اس نے فخریہ گردن اکڑائی۔

"مانو! اے مانو حنمین۔۔۔۔۔ حنمین۔" بے بے کی پہ درپے پکاروں پر دونوں اندر کی طرف بھاگیں۔

"جی بے بے کیا ہوا؟" دونوں یک زبان ہو کر بولیں۔

"ہونا کیا ہے، صدا کی کام چور ہو تم دونوں۔ اللہ نے دو ہی پوتیاں دی ہیں وہ بھی انتہا کی کام چور۔" آرندہ بیگم کا وہی پرانا روگ جو انھیں کئی کئی بار ستاتا تھا۔ اور اسکا وہ بر ملا اظہار بھی کرتی رہتی تھیں۔ مگر مجال جو مانو یا حنمین کے سر پر جوں بھی رینگ جاتی۔

"کل تم دونوں کو میں نے کیا کہا تھا؟" انھوں نے دونوں کو کڑے تیوروں کے ساتھ

گھورا۔

دونوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور یک زباں ہو کر بولیں۔

"کیا؟؟"

"لو جی کر لو گل، ادھر تو یاد بھی نہیں، میں بیچاری بوڑھی جان بھلا کیا کیا کروں؟ ایسی نالائق پوتیاں ملی ہیں کہ بندہ کسی کو بتانے جوگا بھی نہیں۔ آخر کل کو تم دونوں کا ویاہ بھی کرنا ہے۔ اللہ بخشے تم دونوں کی ماؤں کو، اگر آج زندہ ہوتیں تو تم دونوں کی ذمہ داری وہ خود ہی اٹھاتیں۔ میں بھی بڑھاپا آرام سے گزارتی پر اس عمر میں بھی آرام تو گویا حرام ہے۔" انھیں فوراً ہی دونوں بہوؤں کی یاد ستائی، جو عمر سے پہلے ہی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں تھیں۔

"اوہ ہو۔ بے بے تو آپ چھوڑ دیں ناں، چاندنی ہے جو، وہ کر لے گی سارے کام۔"

حسبِ معمول حنین کو بیچ میں بولنا پڑا۔ ورنہ بے بے جب بولنے پر آتیں تو خدا کی پناہ ہی بچا سکتی تھی۔

"اے لو جی! نئی سن لو۔ لو بھلا کبھی ملازموں کے سر پر بھی گھر چلا کرتے ہیں۔" بے بے مزید آگ بگولا ہوئیں۔

"ارے میری پیاری بے بے! آپ سب چھوڑیں ناں یہ بتائیں، کرنا کیا ہے۔ ہم کر لیں گے۔" مانو نے بے بے کو ٹھنڈا کرنا چاہا اور وہ فوراً ہو بھی گئیں۔

"اللہ جنت نصیب کرے تیری ماں کو وہ بھی یوں ہی تھی۔ دوسرا پاویں جتنا بھی غصے میں ہوتا اپنی میٹھی سی مسکراہٹ سے سارا غصہ ٹھنڈا کر دیا کرتی تھی۔ بس اللہ حیاتی کرے۔" ساتھ ہی انھوں نے مناہل کو لمبی زندگی کی دعائیں دے ڈالیں۔

مانو مسکرائی۔

"بے جی ارشاد کریں کرنا کیا ہے۔" حننین نے انہیں اصل مدعے پر واپس لانا چاہا۔

"ارے بس ذرا سا کام ہے۔ اوپر والے پورشن کی صفائی کرنی ہے۔"

"اف بے بے یہ ذرا سا کام ہے۔" حننین کو سوچ کر ہی چکر آنے لگے۔

"کسی بھی حویلی سے ذرا سا ہی چھوٹا ہو گا یہ گھر۔"

"آئے ہائے!! کیسے منہ بھر کے کہہ دیا حویلی سے ذرا سا ہی کم ہو گا یہ گھر۔" بے بے نے انتہائی بھونڈے انداز میں حننین کی نقل اتاری۔

"ارے تمہارے دادا، پر دادا کے زمانے کا ہے یہ گھر۔ تب تو یوں ہی بڑے گھروں کا رواج تھا۔ اب تو کمروں کمروں جتنے گھر تخلیق ہونا شروع ہوئے ہیں۔" اشارہ غالباً فلیٹ کی جانب تھا۔

"ویسے بے بے میرے منہ بھر کر کہنے سے کیا ہوتا ہے، آپ کے مطابق دادا ابا نے بڑی مضبوط بنیاد ڈالی تھی اس گھر کی۔ جو دو سو سال بعد بھی نہ گرے، ابھی تو بمشکل 70، 80 سال ہی ہوئے ہونگے۔" حننین نے خاصی ناگواری سے کہا۔

مانو نے بمشکل ہنسی روکی (حننین کو پڑنے والی متوقع مزید صلواتوں کے خیال سے)

"اے اللہ توبہ، نظر نہ لگا دینا۔ مجھے تو ڈر ہے کہ تو ہی نظر لگائے گی اس گھر کو۔" بے بے نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔ اور فوراً ہی اپنے پلو سے سو کا نوٹ نکال کر صدقے کی نیت سے جھاڑو دیتی چاندنی کے حوالے کیا، جو ایسے ہی کسی موقع کے خیال سے بے بے کے پلو سے اکثر بندھا رہتا تھا۔ سو کا نوٹ پاتے ہی چاندنی کی بتیسی باہر گرنے کو ہوئی۔

"اور سن بچیوں کے ساتھ اوپر والے پورشن کی صفائی کروا دینا۔" ساتھ ہی بے بے نے آرڈر جاری کیا۔

"جی۔" اس نے فرمانبرداری سے کہا۔

یوں تو گھر میں کسی چیز کی کمی نہ تھی پر ملازمہ ایک ہی صبح سویرے آتی اور شام ڈھلے جاتی۔ گھر کے تمام کام اسی کے ذمے تھے۔ کچھ تو آرندہ بیگم نوکروں کے خلاف تھیں۔ دوسرا وہ افراد ہی کتنے تھے، آرندہ بیگم انکی دو پوتیاں اور ایک بیٹا یوسف۔ جب مناہل اور حننین دسویں کے بعد ہاسٹل چلی گئیں تھیں، تب تو گویا پورے گھر میں سناٹوں کا راج تھا۔ چھٹیوں میں ان کے آنے سے ہی رونق ہوا کرتی تھی مگر ان کے جانے کے بعد کی ویرانی سے آرندہ بیگم کا تو کلیجہ ہولتا تھا۔

"کل کو بھی انہیں رخصت کر کے عادت ڈالنی ہے تو اچھا ہے ابھی عادت ڈال لی جائے۔" وہ اکثر سوچتیں۔

"بے بے کل کر لیں صفائی آج تو میں نے رضوانہ کے گھر جانا ہے۔" حننین منمنائی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اس روز روز کی آوارہ گردیوں کی۔ ارے پرایا دھن ہے آخر کو کل پرائے گھر بھی جانا ہے۔ کیا کہیں گے تیرے سسرال والے، بن ماں کی بچی تھی دادی نے پرواہ نہ کی تربیت میں۔" آراندہ بیگم کی اپنی ہی منطق تھی۔ حننین نے منہ بنایا۔

"ارے بے بے آپ فکر نہ کریں ہم اپنی حننین کی شادی کریں گے ہی ایسی جگہ جہاں سسرال کا کوئی جھنجھٹ نہ ہو۔" مانو نے ماحول ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"یہ لو یہ بھی خوب کہی۔

'نہ سس نہ ننان وہٹی آپے ہی پردھان'
پر اپنے **کھسم** کا کیا کرے گی یہ، وہ بھی تو آخر اسکی حرکتوں کو کب تک سہے گا۔
مجھے تو ڈر لگا رہتا ہے تو ضرور اپنے **کھسم** سے چھتر کھائے گی۔"
"کیوں کیوں ایوں ہی! میں نے اسکا منہ نہیں توڑ دینا جو اس نے غصے سے بات بھی کرنے کی کوشش کی۔" حنین کے تو گویا سر پر لگی تلووں پر بجھی۔
"توبہ! گز بھر لمبی زبان ہے اس لڑکی کی۔" بے بے نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔
"شرم حیا نام کی چیز بھی چھو کر گزری ہے تجھے کہ نہیں۔ اپنے ہی مزاجی (مجازی) خدا کے بارے میں کوئی یوں کہتا ہے کیا۔ توبہ توبہ قیامت کی نشانیاں ہیں۔" بے بے نے ایک بار پھر کان کی لوئیں چھوئیں تو حنین پیر پٹختی واک آؤٹ کر گئی۔
"چھوڑیں بے بے آپ آرام کریں۔" مناہل انھیں ٹھنڈا کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب اسے حنین کا موڈ ٹھیک کرنا تھا جو زیادہ مشکل نہیں تھا۔



وہ آئینے کے سامنے کھڑا پچھلے پندرہ منٹ سے شیو بنانے میں مگن تھا۔ تب ہی اس کا موبائل بج اٹھا۔ عمر کا نمبر دیکھ کر وہ زرا سا مسکرایا اور کال ریسیو کر کے اسپیکر آن کر لیا۔
"جی جناب نئے نئے ایس پی صاحب نے ہمیں کیسے یاد کر لیا' بڑے لوگ۔" اس نے بنا سلام دعا کیئے طنز کا تیر پھینکا۔
"ارے جناب بڑے لوگ تو آپ ہوئے جنہوں نے بنا بنایا اپنے ابا جی کا بزنس سنبھال لیا ہے۔ ہم بیچارے ڈیوٹی پیشہ افراد۔" عمر نے جی بھر کر آواز مین رقعت پیدا کی۔

"اچھا! اے سی والے فرسٹ کلاس روم میں اپنی مہنگی سی راکنگ چیئر پر بیٹھے آپ کونسی ڈیوٹی کر رہے ہیں۔" آردشیر پر رتی بھر بھی اثر نہ ہوا۔ جواب میں عمر کا قہقہ جاندار تھا۔ وہ بھی ہنس دیا۔

"اور سنا شہزادے کیا چل رہا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ بقول تیرے راکنگ چیئر پر جھول رہے ہیں۔ تو سنا؟"

"بس میں ابھی شیو کر کے فارغ ہوا ہوں۔" اس نے تولیہ سے چہرہ خشک کرتے ہوئے کہا۔

"یعنی حسن نکھارا جا رہا ہے۔" عمر نے چوٹ کی۔

"حسن نکھارنے کی ضرورت لڑکیوں کو ہوتی ہے۔ مرد تو شیر ہوتے ہیں۔ اور جیسا کہ تو جانتا ہے شیروں کے منہ تو دھلے ہی ہوتے ہیں۔" اس نے شرارت سے بلند آواز میں کہا۔ مقصد شیزہ کو سنانا تھا۔ جِسے وہ کچھ دیر پہلے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے دیکھ چکا تھا۔

شیزہ نے بخوبی سن بھی لیا۔ اس کے آئے دن پارلروں کے چکر پر واضح چوٹ تھی۔ وہ جل کر رہ گئی۔

"عمر ہنس دیا کہہ تو ویسے تو ٹھیک رہا ہے پر ابھی فون رکھ۔ میرا عملہ سمجھے گا کہ ایس پی صاحب ہنس ہنس کر یقیناً اپنی کسی گرل فرینڈ سے بات کر رہے ہیں۔"

آردشیر مسکرایا۔ "اوکے خدا حافظ۔" دوسری طرف بھی جیسے اسی بات کا انتظار تھا فون فوراً بند ہوا۔ آردشیر تیار ہو کر باہر لاؤنج میں چلا آیا۔

"فرخندہ بوا ناشتہ۔۔۔۔۔" اس نے پکارا۔

"یہ تم اتنی صبح صبح اتنا ہنس ہنس کر کس سے بات کر رہے تھے؟" شیزہ نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔

"کیوں تمہیں کوئی پرابلم ہے؟اس نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"نہیں نہیں۔ بس ہنسنے کی آواز یہاں تک آرہی تھی تو پوچھ لیا۔" شیزہ نے نخوت سے بال جھٹکے۔آردشیر کو وہ زہر لگی۔اس نے صبح صبح جھگڑے کے آثار دیکھے تو خاموش ہو گیا۔ جھگڑے سے اسکی جان جاتی تھی۔ مگر دوسری جانب شیزہ کافی جھگڑالو واقع ہوئی تھی۔

"تم صبح صبح یہاں کیسے نازل ہوئیں؟"آردشیر بیزار ہوا۔

"کیوں کیا مطلب ہے تمہاری بات کا؟ میرے ماموں کا گھر ہے میں جب جی چاہی آجا سکتی ہوں۔"شیزا نے ناک چڑھائی۔

"پتہ ہے کوئی نئی بات کرو۔"آردشیر نے جیسے ناک سے مکھی اڑائی۔ شیزہ نے خاموشی میں ہی عافیت جانی یوں بھی اسے اپنے حسن (مصنوعی) پر بہت ناز تھا۔آخر کار آردشیر کو ایک نہ ایک دن اسی کی طرف لوٹ کے آنا تھا۔ وہ سوچ کر مسرور ہوئی۔آخر کو ماموں کی پوری سپورٹ اسکے ساتھ تھی۔ وہ شیزا کو ہی اپنی بہو مانتے تھے۔سو وہ مطمئن تھی۔ مگر آردشیر اپنے پیارے والد صاحب کو صاف ہری جھنڈی دکھا چکا تھا۔اسے یہ مصنوعی حسن والی اپنی پھپھی زاد زہر لگتی تھی۔ ابا جی سخت خفا ہوئے تھے۔ مگر امی جان اسکے ساتھ تھیں اسلیئے وہ مطمئن تھا۔ کیونکہ اس نے بچپن سے آج تک اماں اور ابا کے ہر اختلاف اور بحث میں اماں کو ہی جیتتے دیکھا تھا۔ وہ مطمئن سا ناشتہ کرنے لگا۔



سارے پورشن کے ایک ایک کونے کو مناہل اور حنین نے رگڑ رگڑ کا چمکایا تھا۔ ہر کمرے کی تفصیلی صفائی کی تھی۔ چاندی نے صرف باتھ روم دھوئے تھے اور جالے اتارے تھے۔ نتیجتاً وہ دونوں بستر پر جا گریں۔ نہانا تو دور کپڑے تبدیل کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی تھی۔

"مانو! بہت بھوک لگی ہے۔ قسم سے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔ مگر کھانا لانے کی ہمت نہیں۔" حنین نے بھوک کی شدت سے دھائی دی۔

"سیم ٹو یو۔" مناہل نے بھی ہری جھنڈی دکھائی۔ دونوں نے چند پل ایک دوسرے کو دیکھا پھر یک زباں ہو کر پکاریں۔

"بے بے کھانا!" بے بے جو اپنے صندوق میں سر دیئے جانے کیا تلاشنے میں مصروف تھیں، مناہل اور حنین کی یوں بلند آواز پر انکے ہاتھ سے صندوق کا ڈھکن چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"ارے کمبختو! کیا مصیبت آپڑی ہے؟" وہ صندوق بند کرتی ان کے سر پر جا پہنچی۔

"بے بے بھوک لگی ہے کھانا لا دیں۔" حنین نے مدعا بیان کیا۔

"لو! اپنے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے ہیں کیا جو بوڑھی دادی سے کھانا مانگ رہی ہو۔" انہوں نے چشمے کی آڑ میں سے دونوں کو گھورا۔

"فی الحال تو ٹوٹے ہوئے ہی سمجھیں۔" مناہل بولی۔

"پورا پورشن صاف کروا کر آپ کھانا دیتے ہوئے بھی باتیں سنا رہی ہیں۔" حنین روہانسی ہوئی۔ (بھوک سے)

"اچھا اچھالاتی ہوں۔" بے بے نے بھی مفاہمت دکھائی۔"پر یہ چاندی کدھر مر گئی ہے اسے کہتی ناں۔" بے بے جاتے جاتے پھر پلٹیں۔

"وہ بازار گئی ہے۔" حنین نے اطلاع پہنچائی۔

"اچھا۔" بے بے سر ہلاتی باہر نکل گئیں۔



"بھئی پہلے آردشیر کی پڑھائی کا بہانا تھا پھر پیروں پر کھڑے ہونے کا۔اب تو اس نے ایم بی اے بھی کر لیا ہے اور بزنس بھی خوب سنبھال لیا ہے۔ میرے خیال سے اب اسکی شادی کر دینی چاہیے۔" سعید صاحب نے ناشتے کی میز پر اٹھے سے انصاف کرتے ہوئے اظہارِ خیال کیا یا کسی کی پڑھائی پٹی پڑھی۔" صبیحہ بیگم سمجھ نہ سکیں۔

"کہہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں یہی عمر ہے شادی کی۔ پر اس سے کیا ہوتا ہے کوئی لڑکی بھی تو ہونی چاہیئے۔" صبیحہ بیگم نے انتہائی معصومیت سے کہا جیسے ان کا ارادہ جانتی ہی نہ ہوں۔

"تو کیا اب تم باہر سے لڑکی تلاش کرو گی۔ میری اکلوتی بہن کی اکلوتی بیٹی اتنی ہونہار تمہیں نظر نہیں آتی۔" سعید صاحب نے خود پر ضبط کے پل باندھے۔

"ہونہار نہیں، ہوشیار کہیے۔" صبیحہ بیگم نے منہ بنایا۔" مجھے تو وہ ایک آنکھ نہیں بھاتی بس فیشن کروالو اس سے۔ کام کی نہ کاج کی دشمن اناج کی ہونہہ۔" انہوں نے کپ میں چائے انڈیلی۔

"تو کیا اب میں اپنی اتنی ذہین فطین بھانجی کو چھوڑ کر باہر رشتہ کرونگا۔ بہن کو کیا

جواب دونگا؟" سعید صاحب جوش میں آئے۔

"رہنے دیں آپ سعید صاحب بہن کو تو اور ذہین فطین والی بات بھی آپ نے خوب کہی۔ ذہین کا تو پتہ نہیں البتہ فطین اس جیسا کوئی نہیں۔ جدھر جاتی ہے ایک آدھ فتنہ تو ضرور پھیلا کر آتی ہے۔ اور جہاں تک باہر رشتہ کرنے کی بات ہے تو باہر کیوں، خیر سے میری دو دو بھتیجیاں ہیں انہی میں سے کسی ایک کو بناؤں گی میں اپنی بہو۔" وہ سوچ کر ہی مسرور ہوئیں۔

"وہ گاؤں کی رہنے والی اور میرا شہری بیٹا، کوئی جوڑ ہی نہیں۔ آردشیر کبھی نہیں مانے گا کسی پینڈو سے شادی پر۔" سعید صاحب چائے کا کپ میز پر دھرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"سعید صاحب یہ تو وقت ہی بتائیگا۔" انھوں نے چائے کا گھونٹ بھرا۔ انھیں پورا یقین تھا آردشیر کے مان جانے کا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ آردشیر کی شادی اسی سے ہوگی جس سے وہ کہے گا۔" سعید صاحب بلا کے جذباتی واقع ہوئے تھے۔

"ٹھیک ہے طے رہا۔" وہ بھی اطمینان سے مسکرائیں۔

سعید صاحب بہت جلد اپنی ہی بات کے جال میں پھنسنے والے تھے۔ اس بات سے یکسر بے خبر وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔



حنین سرِ شام ہی چھت پر آ بیٹھی تھی جبکہ عموماً زیادہ تر وہ رات کے وقت بے بے

سے چھپ کے چھت پر جا کر کچی کیریاں اور سردیوں میں کینو سے انصاف کرتی تھیں۔
اسلیئے بے بے ان کے نزلے زکام اور خراب رہنے والے گلے کے اصل راز سے بے خبر تھیں۔

اس کے ہاتھ میں ایک موٹی سی کتاب تھی جسے پڑھنے میں وہ اس قدر مگن تھی کہ اسے سامنے والی چھت پر چڑھتے مولوی صاحب دکھائی ہی نہ دیئے۔

"اسلام علیکم بیٹا حنین!" مولوی صاحب کے سلام پر وہ اچھلتے اچھلتے بچی۔

"وعلیکم اسلام مولوی صاحب۔" وہ سنبھلی۔ اور فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ (احتراماً)

"کیا حال ہے پتر کیا پڑھ رہی ہو؟"

"ٹھیک مولوی صاحب۔ میں نے کیا پڑھنا ہے جی یہ ہی نصاب کی کتابیں ہیں۔"

"اچھا اچھا۔" مولوی صاحب خوش ہوئے۔ "بس پتر ایک تُو ہے اور ایک میری نالائق اولاد۔ تُو کڑی (لڑکی) ہو کر اتنی پڑھائی کرتی ہے اور اسے منڈا (لڑکا) ہو کر وی (بھی) کوئی شرم ہے نہ لحاظ۔ او تجھے تو گھر کے وی سو کام کاج ہوتے ہونگے اور ایک میرا عبدالرشید ہے زمانے بھر کا ویلا نکما اوپر سے دسویں میں دو واری فیل۔ پر ماشاءاللہ میرا دل تجھے یوں چھت پر دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ او پتر چھت پر بھی تو نصاب کی کتاب پڑھنے آئی ہے۔" مولوی صاحب نے بھی تمام دلی پھپھولے گویا حنین کے سامنے پھوڑنے تھے۔

"اچھا پتر اذان کا ٹیم (ٹائم) ہو رہا ہے میں چلتا ہوں رب راکھا۔" حنین نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔

"اپنا حنین پتر! تیرے اور مانو کے پرچے تو ہو گئے تھے جمعے کے خطبے میں یوسف

نے خصوصی دعائیں کروائی تھیں۔ پھر یہ کس سلسلے کی پڑھائی ہے؟" مولوی صاحب جاتے جاتے پھر پلٹے۔اب کی بار حنین گڑ بڑائی۔

"وہ مولوی صاحب میں نے سوچا علم تو جتنا ہوا اتنا تھوڑا ہے اسی لیئے جی۔۔۔۔۔۔۔"

اس نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

"جیتی رہو پتر جیتی رہو۔" مولوی صاحب جی بھر کر متاثر نظر آئے۔ وہ حنین کی بات پر مگن جھومتے جھامتے سیڑھیاں اترنے لگا۔

حنین بھی پر سکون ہوئی۔مانو کے ہنسنے پر وہ پلٹی۔

تم کب آئیں؟"اسے تعجب ہوا۔

"تب ہی جب تم مولوی صاحب سے جھوٹی داد وصول کر رہی تھیں۔" حنین لحظے بھر کو خفیف سی ہوئی تھی۔

"وہ تو بس اچانک آگئے تھے مجھے پتہ نہیں چلا تھا۔" حنین بولی۔

"ویسے غلطی تمہاری بھی نہیں مولوی صاحب اگر ایک نظر کتاب کے ٹائٹل پر ڈال لیتے تو بیوقوف بننے سے بچ جاتے۔" مناہل نے کتاب حنین کے ہاتھ سے لیکر ٹائٹل سامنے کیا جہاں بڑے بڑے واضح حروف میں 'محبت دل پہ دستک' درج تھا۔

"ویسے مولوی صاحب ٹائٹل پڑھ لیتے تو مجھ پر ایک آدھ فتوا تو لگا ہی دیتے۔" اب کی بار حنین بھی مسکرائی۔

"بالکل۔" مانو نے اتفاق رائے کیا۔

شام کے سائے ڈھلنے لگے تو وہ دونوں 'بے بے' کے کوسنوں اور گالیوں کے ڈر سے

نیچے چلی آئیں۔ کچھ دیر میں چاند کی روشنی ہر سو جالے بکھیرنے لگی تو وہ آنگن میں چہل قدمی کرنے چلی آئیں۔ بے بے سو چکی تھیں۔ وہ بھی کچھ دیر خوش گپیوں کے بعد ابا جی کے کمرے میں چلی آئیں جہاں ابا جی حسب معمول سونے سے پہلے حساب کتاب کے کھاتے کھولے بیٹھے تھے۔ ابا جی دونوں کو اندر آتے دیکھ مسکرائے۔

"آؤ پتر آجاؤ۔"

وہ دونوں اندر آکر ایک صوفے پر ٹک گئیں۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد بات انکی پڑھائی کے رخ پر چل نکلی تو ابا جی نے پوچھ ڈالا۔

"آگے کدھر داخلے کا پروگرام ہے؟"

"ابا جی لاہور تو بالکل بھی نہیں جانا۔" حنین لاڈ سے بولی۔ وہ مسکرادیئے۔

"تو فیر کدھر کا ارادہ ہے پتر جی؟"

"ابا جی کراچی۔" حنین نے انتہائی معصومیت سے کہا اور ساتھ ابا جی کے تاثرات دیکھے جو سنجیدہ ہوئے۔

حنین نے مانو کے ہلکی سی چٹکی کاٹی (اس کے خیال میں) جس کا مطلب تھا اب وہ کچھ بولے۔

وہ اگر مضبوطی سے صوفے کو نہ پکڑتی تو یقیناً بلبلا اٹھتی۔

"بھئی میں تو وہیں ایڈمیشن لونگی جہاں ابا جی کہیں گے۔" وہ اٹھ کر ابا جی کے پاس بیڈ پر جا بیٹھی۔ ابا جی دل ہی دل میں نہال ہوئے۔ انھوں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

"جیتی رہو۔"

اپنے اماں ابا کے انتقال کے بعد اس نے اپنے چچا کو ہی ابا جی کہنا شروع کر دیا تھا اور چچا جی نے بھی ابا جی والا ہر فرض نبھایا تھا۔ مناہل کو ہمیشہ حنین سے بڑھ کر پیار کیا تھا۔

"لو تم تو ابا جی کی مرضی مانو گی ہی، بات تو تب ہے جب ابا جی تمہاری بات مانیں۔" حنین نے مسکراہٹ روکتے ہوئے اگلا پتہ پھینکا جو بالکل نشانے پر لگا۔

"سچی ابا جی!" جواب میں مناہل نے جس معصومیت سے ابا جی کو دیکھا تھا وہ تو چاروں شانے چت ہو گئے۔ اسے اپنے بھائی کی اولاد از حد پیاری تھی۔ یوں بھی انھوں نے بچیوں کی بات کبھی نہیں ٹالی تھی۔ سو انہیں ماننتے ہی بنی۔

"پر پتر کراچی کے حالات بہت خراب ہیں۔" ابا جی متفکر ہوئے۔ "ایسے میں ہاسٹل میں رہنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"ارے ابا جی آپ فکر ہی نہ کریں اسکا حل بھی ہے میرے پاس۔" حنین مسکرائی۔

"خیر سے ہماری سگی پھوپھی رہتی ہیں کراچی میں وہ کس دن کام آئیں گی۔"

ابا جی چپ سے ہو گئے۔

"پر شاید بے بے نہ مانے۔ بولے بھی تو کیا۔"

"کیوں پھپھو کے گھر جانے میں بے بے کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟" مناہل حیران ہوئی۔ بظاہر تو سب ٹھیک تھا۔

"بس پتر لمبی کہانی ہے چھڈو تسی۔"

"تو ہم بھی ویلے ہیں ہماری کونسی زمینوں پر تھریشر لگی ہوئی ہے آپ بسم اللہ

کریں۔" حنین کو از حد تجسس ہوا۔

"پتر تمہاری پھپھی نے پسند کی شادی کی تھی اماں جی سخت ناراض ہو گئی تھیں۔ ویاہ کے بعد ایک دو واری وہ آئیں بے بے کو منانے پر اماں جی کا جو سلوک تھا اسکے اور اسکے میاں کے ساتھ وہ تقریباً بستی والا ہی تھا۔ فیر تمہاری پھپھی بھی رس پڑیں۔ (ناراض ہو گئی) پھر تین سال گزر گئے نہ اماں گئیں اور نہ وہ آئی۔ پھر اسکے گھر پتر ہوا تو اماں جی کو دل کے ہاتھ مجبور ہو کر جانا ہی پڑا، خیر اللہ بخشے حنین کی والدہ کے انتقال پر وہ بھی چلی آئی۔ حنین دو دن کی تھی اس نے اسے مانگ لیا تو بے بے نے انکار کر دیا۔اس پر فیر خفا ہو گئی۔ پھر تب آئی جب پا جی اور پر جائی کا ایکسیڈینٹ میں انتقال ہوا۔ پورا مہینہ رہ کر گئی تھی۔ بے بے نے بھی دل سے معاف کر دیا تھا ساری کدورتیں مٹ گئیں۔اس کے بعد تو تمہارے سامنے ہی وہ دو ڈھائی سال بعد آتی ہے یا مہینے دو بعد فون کر لیتی ہے۔ بس پتر وقت کا فاصلہ آگیا ہے بیچ میں۔" ابا جی کے لہجے میں افسوس چھلکا۔

"آپ کبھی گئے ابا جی؟" حنین نے پوچھا۔

"ہاں پتر جب اسکے سسر اور جب ساس کا انتقال ہوا تھا تو میں ہی گیا تھا۔ ابا جی کی تب طبیعت کچھ ناساز تھی۔ اوپر سے تم دونوں کی ذمہ داری نے ہی بے بے کو کہیں جانے نہیں دیا۔" وہ مسکرائے۔

"ابا جی! ویسے ہم نے تو کبھی بھی پھپھو کے بیٹے کو نہیں دیکھا۔" حنین ایک بار پھر بولی۔

"اس کی پڑھائی ذرا سخت تھی حرج کے خیال سے نہیں آیا کبھی۔" ابا جی بولے۔

"لو یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، چھٹیاں بھی تو ہوتی ہیں۔" مناہل نے کہا۔

"بس پتر اسکے باپ کو لگتا تھا گاؤں جائے گا تو پینڈو ہو جائے گا۔" وہ خود ہی اپنی بات پر ہنس دیئے۔ مانو اور حنین دونوں کو ہی برا لگا۔ اَن دیکھے پھپھا کا ایمج (image) خراب ہوا۔

"اس طرح تو پھر پھپھی بھی پینڈو تھیں۔" حنین نے منہ بنایا۔

"او چھڈ و پتر جی۔ رات بہت ہو گئی ہے سو جاؤ جا کے۔"

وہ بھی خوشی خوشی سونے چل دیں۔ نہ فصرف کراچی جانے پر ابا جی راضی ہوئے تھے ساتھ میں فری کی اسٹوری بھی سننے کو ملی تھی۔ آج کی محفل میں یہ بات تو اچھی طرح ثابت ہو چکی تھی کہ حنین کی لو اسٹوری میں بے بے ایک ویلن (Ek Villan) کا کردار نبھانے والی تھیں۔ وہ سب کچھ اللہ پر چھوڑتی کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ مناہل نے بھی اس کی تقلید کی۔



عمر اپنے آفیس میں مصروف تھا اسے کچھ ضروری فائلز چیک کرنی تھی۔ اسی پل اسے انٹر کام پر آردشیر کی آمد کی اطلاع ملی۔

"ان سے کہو ایس پی (S.P) صاحب مصروف ہیں۔

"سر وہ کہہ رہے ہیں انھیں ابھی ملنا ہے۔" دوسری طرف سے اسے توقع کے مطابق جواب ملا۔

"ان سے کہو اگر بہت ضروری ملنا ہت تو اپائنمنٹ لے لیں۔ جس وقت میں فارغ

ہوں انھیں اس وقت کا ٹائم دے دو۔"

"پر سر آج کے دن تو آپ بالکل بھی فری نہیں۔" پی اے (P.A) نے سامنے میز پر رکھے شیڈول پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کل کا کوئی وقت دے دو انھیں۔ اور اب دوبارہ مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔" اس نے ریسور رکھا۔ اور خود پھر سے فائل چیک کرنے لگا۔ وہ جانتا تھا اب کیا ہونے والا تھا۔ وہ سوچ کر مسکرایا۔ اسی پل 'ٹھا' کی آواز سے دروازہ کھلا اسے خونخوار نظروں سے گھورتا آردشیر کھڑا تھا اور اسکے پیچھے دو حولدار تھے جو اسے روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"سر ہم نے بہت روکا پر یہ زبردستی اندر آیا ہے۔"

"ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تو وہ لوگ باہر نکل گئے۔

"یہ کیا بدتمیزی تھی؟" آردشیر کا انداز جارحانہ تھا۔ وہ کرسی گھسیٹتا اطمینان سے اس پر براجمان ہوا۔

"اور وہ کس قسم کی تمیز تھی جو تم باہر دیکھا رہے تھے؟" عمر نے سامنے رکھی فائل بند کی۔ آردشیر الجھا۔

"کیا مطلب میں نے کیا کیا ہے؟"

"باہر جو غیروں کی طرح اپنے آنے کی اطلاع پہنچائی جا رہی تھی وہ کیا تھی؟" عمر سنجیدہ تھا۔ آردشیر فوراً سے پہلے ساری صورتحال سمجھا۔ اور مسکرا دیا عمر بھی مسکرایا۔ اور پھر یہ مسکراہٹ ہنسنے میں کیسے بدلی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"دراصل مجھے تجھ سے ایسی تمیز کی توقع نہیں تھی میں سمجھا شاید تیری طبیعت ناساز

ہے اسلیئے سارا ڈرامہ کیا۔ پر افسوس تو بالکل ٹھیک ہے۔" عمر نے افسوس سے سر جھٹکا۔

"میری طبیعت ٹھیک تھی دراصل تو ان لوگوں میں سے ہے جسے عزت راس نہیں آتی۔ چل اب فٹافٹ چائے شائے پلوا۔" آردشیر نے کہا اور ساتھ ہی فرمائش بھی جڑ دی۔

"آگیا اوقات پر۔" عمر نے افسوس (مصنوعی) سے اسے دیکھا۔

"بالکل ساتھ میں قریبی ہوٹل سے پکوڑے بھی منگوا خدا خدا کر کے تو کراچی کا موسم اتنا خوشگوار ہوتا ہے۔" آردشیر نے اسکی ٹیبل پر دونوں ٹانگیں جمائیں۔

عمر نے خونخوار نظروں سے اسے گھورا جسکا کوئی خاطر خواہ اثر ہوتا دکھائی نہیں دیا تھا۔ عمر جو دہی سر جھٹک کر چائے پکوڑوں کا آرڈر کرنے لگا۔ کچھ دیر پہلے جو کام کی زیادتی سے جو بیزاریت طاری ہو رہی تھی وہ جیسے آردشیر کی آمد سے جیسے چھٹ گئی تھی۔ اب اگلے دو ڈھائی گھنٹے انہیں پکی سہیلیوں کی طرح بے شمار باتیں کم جگتیں زیادہ کرنی تھیں۔



مانو کئی بار کا پڑھا ہوا امر بیل ایک بار پھر پڑھنے میں مشغول تھی۔ غالباً ناول کا اینڈ چل رہا تھا۔

اس نے علیزے کے چہرے کو اپنے ذہن کی اسکرین پر ابھرتے دیکھا۔ بے اختیار اس نے سانس لینے کی کوشش کی۔ ساتھ ہی مانو نے بھی سوں سوں کرتی ناک کو رومال سے رگڑ کر صاف کیا بہتے آنسو یکدم تھمے۔ پھر اس نے اسکے ساتھ جنید کو دیکھا۔ وہ سانس نہیں لے سکی۔ اور اسکے ساتھ ہی مانو کی آنکھوں سے آنسو دو آنسو ٹپ ٹپ کر کے آنکھوں کی باڑ کو پھلانگتے گلابی گالوں پر بہتے ہوئے شنیل کے تکیے میں جذب ہوئے۔

اسی پل دھاڑ سے دروازہ کھلا۔ مناہل فوراً سے پہلے کتاب بستر مین چھپاتی اٹھ بیٹھی۔ آگے آگے بے بے اور انکے پیچھے ابا جی اور ابا جی کے پیچھے منہ سجھائے کھڑی حنین تھی۔

"ارے غضب خدا کا اتنی دور جوان جہان لڑکیوں کو کیسے بھیج دوں، میرا تو سوچ کر ہی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔"

مناہل کو ساری بات سمجھنے میں چند ہی سیکنڈ لگے تھے۔

"اور مجھے اس بات پر تو بالکل ہی یقین نہیں آتا کہ یہ بے تکی فرمائش مانو کی ہے۔" مسلسل بولتی بے بے نے مناہل کا جائزہ لیا۔ ستا ہوا چہرہ، روئی روئی آنکھیں، بکھرے بال (کھلے بال بے بے کی دانست میں بکھرے ہی کہلاتے ہیں۔) بے بے نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

"تجھے کیا ہوا؟" بے بے متفکر ہوئیں۔

"ہونا کیا ہے بیچاری کو تائی جی ہوتیں تو یہ اپنے دل کی ہر بات ان سے کہہ نہ دیتی، بیچاری یوں بستروں میں منہ چھپا چھپا کر روتی تو نہ۔" حنین نے فوراً موقع سے فائدہ اٹھایا۔

"لو یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ میں اور یوسف کیا اسے پرایا سمجھتے ہیں یا یہ ہمیں۔" بے بے برامان گئیں۔ مانو اس نئی افتاد پر حنین کو تکے گئی۔

"ارے نہیں میرا مطلب ہے کہ یہ بیچاری تو یہ سوچ کر کچھ نہیں کہتی ہماری بیچاری بوڑھی دادی کب تک ہماری فرمائشیں پوری کریں گیں۔" حنین نے بات سنبھالی۔

"لو اب اتنی بھی بوڑھی نہیں میں، یہ تو دکھوں نے ایسا حال کر دیا ہے۔ ورنہ ابھی

میری عمر ہی کیا ہے جوان جہاں تو ہوں۔" بے بے نے سیاستدانوں کی طرح بیان بدلا۔

"دیکھا مانو میں نے کہا تھا ناں یوں منہ چھپا چھپا کر رونے سے بہتر ہے کہ تو بے بے کو سچ سچ بتا دے کہ تیری بچپن کی خواہش ہے کراچی جا کر اقراء یونیورسٹی میں پڑھنا۔" حنین نے مانو کو دیکھ کر آنکھیں مٹکائیں۔

مانو نے کھا جانے والی نظروں سے حنین کو دیکھا، مگر افسوس ہائے رے دوستی وہ سوچ کر خاموش ہوئی۔

"آھو! پتر فیر و یکھ میں بھی تو من ہی گیا ہوں ناں بے بے وی من جائیگی تو دل چھوٹا نہ کر۔" کب سے خاموش کھڑے ابا جی نے بھی اپنا کردار نبھایا۔

"تے ہور کی۔" حنین نے بلا کی معصومیت سے کہا۔

"پر رہو گی کدھر؟" بے بے کو بھی فکر ہوئی۔

"آپ فکر نہ کریں ابا جی نے سارا انتظام کر لیا ہے۔" حنین نے بندوق ابا جی کے کندھے پر رکھی۔

"ہاں وائی بول کیا انتظام ہے؟" ابا جی گڑ بڑائے بے بے کے آگے بھلا کون ٹک سکتا تھا۔

"وہ آھو بے بے اپنی صبیحہ ہے ناں کراچی میں تو میں نے سوچا او کھے ویلے پین پراہی کم آتے ہیں۔" یوسف صاحب نے بمشکل نامکمل طریقے سے بات مکمل کی۔ بے بے سوچ میں پڑ گئیں۔

"کہہ تو توٹھیک رہا ہے۔" خلاف توقع بے بے مان گئیں۔

"ہاسٹل تو میں کبھی نہ بھیجتی آخر کو دھماکوں والا شہر ہے پر اب کڑیاں اتنی ضد کر رہی ہیں تو اپنی پھپھی کے گھر تو جا ہی سکتی ہیں۔ ویسے بھی اسکا کونسا لمبا چوڑا سسرال ہے۔ ساس سسر ٹھکانے لگ چکے، ایک نتان (نند) وہ بھی ویائی ہوئی۔"

حنین اور مانو کی تو گویا لاٹری نکل آئی۔ دونوں نے بیک وقت بے بے کے گلے میں بانہیں ڈال لیں۔

"بے بے زندہ آباد!" دونوں نے بیک وقت نعرہ لگایا۔ بیچاری بے بے کا دم گھٹتے گھٹتے بچا۔ بے بے نے دونوں کو دھموکے جڑے۔

"کمبختوں بوڑھی کمزور دادی کو مار کے دم لو گی کیا ہیں۔" دادی ایک بار پھر بوڑھی ہو چکی تھیں۔ مگر حنین اور مانو کا پلین کامیاب ٹھہرا۔

اگلے دن وہ بے بے کے ہمراہ شاپنگ کے سلسلے میں شہر چلی آئیں۔ بے بے چھوٹی چھوٹی دوکانوں میں گھستی گاؤں والی عورتوں کے پیغام کے مطابق انکا سامان خریدنے میں مصروف تھیں۔ مطلوبہ چیز ملتی تو بھاؤ تاؤ میں کئی کئی منٹ گزر جاتے حنین اور مانو دونوں بیزار ہوئیں۔

"بھائی صاحب آپ کو جتنے کا دینا ہے دے دیں باقی پیسے مجھ سے لے لیں۔" حنین نے تنگ آکر کہا۔

"اور تم ہر معاملے میں کودنا اپنا فرض نہ سمجھا کرو کل کو یوں ساس کے معاملوں میں کودی ناں تو پھر گت پٹے گی وہ تمہاری اچھی طرح سے۔" بے بے آگ بگولہ ہوئیں۔

دوکاندار کے سامنے اس عزت افزائی پر حنین خفت کا شکار ہوئی تو وہیں دوکاندار اور

مناہل اپنی ہنسی روکنے میں بے حال جیسے تیسے کر کے سوٹ خرید اگیا۔ تو دونوں بے بے کو گھسیٹتی اپنی پسندیدہ بوتیک میں چلی آئیں مبادا بے بے کو کوئی اور پیغام نہ یاد آجائے۔ اندر کی یخ ٹھنڈی فضا نے جسم کی گرمی کے ساتھ ساتھ دماغ کی گرمی بھی جیسے زائل کر دی۔ حنین اور مناہل فٹافٹ سے خریداری میں لگ گئیں یوں بھی کافی دیر ہو چکی تھی۔ کچھ ہی دیر میں بے بے کی صلواتوں کا سیشن شروع ہو جانا تھا۔

حنین نے زیادہ تر پٹیالہ شلوار اور کرتے خریدے تھے۔ اسکا ڈریسنگ میں اپنا ہی ٹیسٹ تھا۔ مانو نے شلوار قمیض اور ٹراؤزر کے ساتھ خوبصورت نفیس کڑھائی والے کرتے خریدے تھے۔ کرتے تو حنین نے بھی خریدے مگر جینز کے ساتھ دادی سے نظر بچا کے، یوں بھی کونسا بے بے کراچی جانے والی تھیں ساتھ۔

بے بے نے دونوں کو مہنگی سی شاپ سے انتہائی نفیس چادریں بھی خرید کر دی تھیں وہ بھی بنا بھاؤ تاؤ کے۔ انکی نگاہ میں عزت کی کوئی قیمت نہیں تھی اور چادر تو عزت والی شے ہے۔ جو بھی تھا حنین کو خوشی ہوئی۔ کیونکہ وہ دونوں ہی پچھلی شیشوں والی چادروں سے تنگ آچکی تھیں۔ جو بالکل گاؤں کے کلچر کے مطابق خاص بے بے نے انہیں بنوا کر دیں تھیں۔ وہ جتنا مرضی شہری طرز پر تیار شیار ہوتیں، چادر اوڑھتے ہی وہ صاف نارو والی مٹیاریں نظر آتیں۔

شاپنگ مکمل ہوئی تو بے بے کے ساتھ ان دونوں نے بھی شکر ادا کیا۔



آج ان دونوں کی کراچی کے لیئے روانگی تھی۔ بے بے نے فون پر پھپھو سے بات

کرلی تھی۔

"بے بے کے مطابق تو پھپھو بہت خوش ہیں۔" مانو نے اطلاع پہنچائی۔

"یہ تو جا کر ہی پتہ چلے گا کہ کتنی خوش ہیں۔" حنین نے شانے اچکائے۔

پھر جب روانگی کا وقت ہوا تو دونوں بے بے کے گلے لگ کر خوب روئیں اور بے بے بھی آنسو چھپانے کی ناکام کوشش کرتی رہیں۔

"خیریت کے ساتھ جاؤ۔" جیپ لاہور اسٹیشن کے لیئے روانہ ہوئی تو بے بے نے دل سے دعا دی۔

انکے اسٹیشن پہنچتے ہی خلاف توقع ٹرین آگئی۔ دونوں بڑی نازک مزاجی سے سہج سہج کر قدم رکھتیں ٹرین میں سوار ہوئیں۔ اباجی اور تاجی (اباجی کا کامہ) سامان اٹھائے پیچھے چلے آرہے تھے۔ ڈرائیور جیپ واپس لے گیا تھا۔ یہ بے بے کی خاص ہدایت تھی کہ تاجی کڑیوں کے ساتھ شہر جائیگا تاکہ انھیں اگر کچھ منگوانا ہو یا کہیں آنا جانا ہو تو کوئی مسئلہ نہ ہو۔ دوسرا صبیحہ پر بوجھ نہ پڑے لڑکیوں کے سارے کام کیلیئے تاجی موجود ہو۔ یوں انہیں فری کا رپورٹر بھی مہیا ہو گیا تھا۔

"تاجی بے بے کو ساری اطلاع دیتا ہے۔" ٹرین کے شور میں مانو کو خاصا حنین کے کان میں گھس کر بولنا پڑا تھا۔

"ارے یہ تو ایک سو روپے کی مار ہے۔" حنین ہنسی۔

رات ہوئی تو اباجی برتھ پر سونے کی غرض سے نیم دراز ہوئے۔ تاجی (13 سالہ بچوں کے سے اشتیاق سے کھڑکی سے باہر دیکھنے میں مگن تھا جہاں صرف گھور اندھیرا تھا۔

جبکہ مانو اور حنین کی باتیں ختم ہونے میں نہیں ا رہی تھیں۔

"ویسے مانو کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میں فرحت اشتیاق اور تو عمیرہ احمد کی ہیروئن ہے۔" یہ حنین کی خود پسندی اور مناہل سے محبت کی انتہا تھی اور کچھ نہیں۔ مانو حنین کی بات پر دل کھول کر مسکرائی۔

"یار بات تو تب ہے جب میرے ہیرو کا نام عمر جہانگیر ہو۔" مناہل کی آنکھوں میں کئی رنگ آن ٹھہرے۔

"فکر ناٹ نہ بھی ہوا تو ہم رکھ لیں گے۔"

"ایسے تھوڑی ہوتا ہے۔" مناہل ہنس دی۔

باتوں ہی باتوں میں وقت اور ٹرین دونوں کی رفتار کا اندازہ نہ ہوا۔ بھوک سے شدید برا حال تھا۔ حنین نے ایک نظر ابا جی اور تا جی پر ڈالی جو سونے کا سیشن پورا کرنے کے بعد ایک بار پھر سے کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ اسے سامان کا دھیان رکھنے کی تاکید کرتی وہ مانو کا ہاتھ پکڑتی باہر چلی آئی۔ بیٹھے بیٹھے دونوں کی ٹانگیں دکھ گئیں تھیں۔ اسٹیشن پر اترتے ہی دونوں کو ایک نئی تازگی کا احساس ہوا۔ دونوں نے پہلے نان چنے سے خوب انصاف کیا۔ پھر مانو کے بار بار ڈرانے پر کہ ٹرین چل جائے گی بلآخر حنین اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اپنے ڈبے سے چند قدم کے فاصلے پر تھیں جب مناہل نے ایک ایسی چیز دیکھی جس سے منہ پھیرنا انتہائی دل گردے کا کام تھا۔ حنین کی نگاہ پڑی تو وہ بھی وہیں رک گئی۔ من و سلویٰ، پیر کامل، طائر لاہوتی، سحر ایک استعارہ ہے، آخری زمانہ، شہرِ ذات، دربارِ دل، ماہ تمام، دل دیا دہلیز، شہرِ یاراں، حصار محبت ایک سے بڑھ کر ایک ناول، دونوں کی گویا آنکھیں چندھیا گئیں۔

دونوں یوں اسٹال کی طرف لپکی جیسے پیاسا کنویں کی جانب۔ اسٹال کو لاک دیکھ کر انہیں ازحد مایوسی ہوئی۔ دونوں کے تازہ تازہ ارمانوں ہر پانی پھیرا تھا۔ صدمے سا صدما تھا۔ دونوں سکتے کی کیفیت میں گھری کھڑی تھیں۔ جب ٹرین نے ہارن دیا، دونوں کا سکتا ٹوٹا مگر تب تک دیر ہو چکی تھی۔ تیز رفتاری سے چلتی ٹرین اور دو حسین دوشیزائیں اپنی فل اسپیڈ سے بھاگتی ہوئیں اور کھڑکی میں کھڑا سارا منظر دیکھتا تاجی، اس سے پہلے کہ وہ چوہدری صاحب کو آواز دیتا۔ ایک انتہائی ہینڈسم شخص ٹرین سے باہر کو لپکا اور مانو کی جانب ہاتھ بڑھا دیا۔ مانو نے بنا سوچے سمجھے ہاتھ بڑھا دیا اور اگلے ہی پل وہ ٹرین میں تھی۔ سانس لینے کا تو وقت ہی نہیں تھا اس نوجوان کو دھکا دیتی حنین کو ہاتھ دینے کی کوشش کرنے لگی۔

"حنین جلدی کرو۔"

"مانو۔۔۔!!" حنین تقریباً چیخی۔ چیخ میں ہلکی سی آنسوؤں کی آمیزش بھی شامل تھی۔ مگر اگلے ہی پل مانو نے حنین کا ہاتھ پکڑ کر پوری قوت سے اسے اندر کھینچا۔ دونوں ایک دوسرے کے یوں گلے لگ گئیں جیسے صدیوں سے بچھڑی اب ملی ہوں۔ پاس کھڑا نوجوان انتہائی دلچسپی سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ چند پل میں جب ہوش ٹھکانے آئے تو دونوں ہی اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"شکریہ۔" مانو نے مسکرا کر اس شخص کو دیکھا۔

"اٹس مائی پلیژر۔" لڑکا بھی مسکرایا۔ حنین نے کن اکھیوں سے دونوں کو دیکھا۔

"ویسے مانو بالکل (D.D.J.I) والا سین تھا ناں۔ بس میوزک کی کمی تھی اور دل میں گھنٹی بجنے کی۔" وہ معنی خیزی سے مسکرائی۔ ایک سراسر اجنبی شخص کے سامنے حنین کی

اس گوہر افشانی پر مناہل خفت سے سرخ پڑ گئی۔ جبکہ اس نوجوان کا قہقہہ کا بتاتا تھا کہ اس نے حسنین کی بات کو دل کھول کر انجوائے کیا ہے۔

مانو دونوں کو گھورتی آگے بڑھ گئی۔

"اچھا پھر آپ کی قسمت میں میرے دولہا بھائی ملنا لکھا ہوا تو پھر ملیں گے۔" حسنین اسے الوداع کہتی مانو کے پیچھے لپکی۔ جبکہ عمر کتنی ہی دیر سارا منظر سوچ سوچ کر کبھی ہنستا اور کبھی مسکراتا رہا تھا۔



"آج گاؤں سے تمہارے ماموں کی دونوں بیٹیاں آرہی ہیں۔" آردشیر دوپہر کو لنچ کی نیت سے گھر آیا تھا جب امی جی انے اسے نئی قسم کی اطلاع پہنچائی۔ وہ توانکے نام سے ہی نا آشنا تھا۔ کبھی ملاقات کا شرف ہی حاصل نہیں ہوا تھا۔ بس سرسری ساذکر ضرور سنا تھا۔

"کیوں وہ کیوں آرہی ہیں؟" اس کی زبان پھسلی۔

"کیا مطلب کیوں آرہی ہیں۔ بھئی انکی پھپھو کا گھر ہے سو بار آئیں۔" وہ خفا ہوئی۔

"ارے نہیں میرا مطلب تھا کہ کوئی خاص بات پہلے تو کبھی نہیں آئیں۔" وہ گڑ بڑایا۔

"یہاں پڑھنے آرہی ہیں۔" وہ نارمل ہوئیں۔

"کیوں یہاں کیوں، سندھ کی نسبت پنجاب کی پڑھائی اچھی ہے۔" اسے اچھنبا ہوا۔

"بھئی انکی مرضی جہاں جی چاہیں پڑھیں۔" امی جان نے شانے اچکائے۔

"ہاں تو پھر ہمارے گھر ہی کیوں؟" آردشیر کو اعتراض ہوا۔

"پہلے شیزا کم تھی جو دو دو آفتیں اور نازل ہونے کو تھیں۔" وہ کوفت کا شکار ہوا۔ جواب میں امی جان نے اسے کم سے کم 15 منٹ پر مشتمل لیکچر تقریباً گھول کے پلایا تھا۔ ابھی لیکچر شاید مزید طویل ہوتا، مگر مہمانوں کی آمد سے اختتام پزیر ہوا یا ملتوی، وہ سمجھ نہ سکا۔ آنے والی دونوں لڑکیاں بظاہر تو ٹھیک ٹھاک تھیں مگر ایک کا حلیہ خاصا عجیب بلکہ اوٹ پٹانگ تھا۔ جس نے سرخ پٹیالہ شلوار پر اورنج کرتا پہن رکھا تھا ساتھ میں سرخ اور اورنج امتزاج کا دوپٹہ، کمر سے آتے نیچے بال جو سراسر عفت سحر طاہر کی ہیروئینز سے (copied) تھے اور ہیئر بینڈ میں جکڑے تھے۔

"آہ۔۔۔۔!!" اس نے لمبی سانس لی۔ بے شمار مشرقی مردوں کی طرح لمبے اور حسین بال آردشیر کی بھی کمزوری تھے۔

"یہ میرا بیٹا ہے آردشیر۔"

پھپھو نے دونوں کو باری باری گلے ملنے کے بعد اس کا بھی تعارف کروایا۔

"اسلام وعلیکم" دونوں نے ایک ساتھ سلام جھاڑا

"وعلیکم اسلام" وہ مسکرایا مصنوعی ہی سہی۔

تب ہی آردشیر کو ماما جی اندر آتے دکھائی دیئے وہ آگے بڑھ کر ان سے گلے ملا اس بعد صبیحہ بیگم کی رہنمائی میں سب ڈرائنگ میں چلے آئے "بھائی صاحب دونوں میں سے مناہل کون اور حنین کون ہے" پھپھو کے معصومیت سے کیے گئے سوال پر ان دونوں کے زاویے بگڑے "مل تو یوں رہی تھیں گویا سارا بائیو ڈیٹا سنبھال رکھا ہو مگر ادھر تو ابھی ریکوری چل رہی ہے"۔ حنین نے اپنی طرف سے مانو کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ مگر اتنی باآواز بلند

ضرور تھی کہ ساتھ بیٹھے صوفے پر آردشیر نے بخوبی سسن لیا۔

"خاصی اسٹریٹ فارورڈ ہیں محترمہ۔" اس نے سوچا۔

"یہ مناہل ہے ابا جی نے گلابی کپڑوں والی لڑکی کی جانب اشارہ کیا اور یہ حنین میری بیٹی" دوسرا آپشن تو ویسے بھی سب خود ہی سمجھ گئے تھے۔

"اس حلیے پر یہ نام ان فٹ میچ۔" وہ اپنے تئیں بڑبڑایا مگر حنین کے کان خاصے پتلے واقع ہوئے تھے وہ فورا متوجہ ہوئی اور گھور کر آردشیر کو دیکھا۔

آردشیر نے زبردستی کی مسکراہٹ لبوں سے اچھال پھینکی جس پر اس نے پہلو بدل لیا۔

کچھ دیر کی خوش گپیوں کے بعد میز پر کھانا چن دیا گیا تھا۔

آردشیر کھانے کے دوران بھی حنین کے بے حد عجیب و غریب طریقے ہی نوٹس کرتا رہا تھا۔

بھلا سویا ساس اور کیچپ کو مکس کر کے کون کھا سکتا تھا۔ وہ بھی بریانی کے ساتھ وہ پورا وقت اسے دیکھ کر برے برے منہ بناتا رہا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر سب آرام کرنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو وہ بھی آفس آ گیا جہاں عمر پہلے سے موجود تھا۔

"کیسے ہو۔" آردشیر نے اسکا حال دریافت کیا۔

"عشق کے ہیں مارے ہوئے

حسن کے ہیں ستائے ہوئے"

اس نے لہک کر معنی خیزی سے اپنی مرضی کا ہی گیت سرعت سے گنگنایا تھا۔

آردشیر چونکتے ہوئے سیدھا ہو بیٹھا۔

"اوئے کہیں وہ چکر تو نہیں جو میں سمجھ رہا ہوں۔" اس نے تنقیدی نظروں سے عمر کا بھرپور جائزہ لیا۔

"پیار ہوا اقرار ہوا ہے پیار سے پھر کیوں ڈرتا ہے دل۔" عمر ترنگ میں گا کر اک ادا سے مسکرایا تو آردشیر کو اپنے تکے کے درست ہونے کا یقین ہو اٹھا۔

"یعنی واقعی میں۔" اس نے دانستہ جملہ ادھورہ چھوڑا جسے عمر کے شعر نے مکمل کیا۔

"بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی۔" آخر میں عمر نے گہری مخصوص عاشقوں والی آہ بھری تھی۔

"تو پھر بتا کہاں ملی ہونے والی بھابھی ملاقات کا احوال دو۔"

"کل شب میں نے چاند کو دیکھا جھروکے میں"۔

"بند کرو اپنی بے سری آواز" وہ ابھی شروع ہی ہوا تھا۔ کہ آردشیر نے بیزار ہو کر ٹوک دیا۔

"یہ اتنا کسٹرڈی کھیلنا بند کرو اور فٹافٹ اپنی رام کتھا سنانا شروع کردو"۔

"رام کتھا نہیں پیارے پریم کتھا۔" عمر نے اسکی تصحیح کی۔

"جلدی سے شروع جاو بس تم۔" آردشیر کو دوست کی عشقیا داستان سننے کی جلدی ہو رہی تھی۔

"کل بیتی پونم کی رات کا واقعہ ہے"۔ ہے عمر نے مفکرانہ لب و لہجہ اپنایا تھا آردشیر

کواس کے چہرے پر چاہت کے بے شمار رنگوں کی برسات ہوتی نظر آئی۔

"میں پاکستان ایکسپریس کی بزنس کلاس کے ڈبے میں دروازے کے قریب کھڑا شام جاں کو معطر کرتی ہوائیں اپنے اندر اتارنے میں مصروف تھا۔آخر کو ان مہکتی فضاوں میں میرے ہونے والے محبوب کی خوشبو رچی بسی ہوئی تھی۔ میرے دل کو کیسے نا ادراک ہوتا۔"اس نے فخریہ گردن اکڑائی۔

پھر آردشیر کو بے چینی ہوئی۔"میں نے ذرا سا باہر کو نکالا تو ایک تیز ہوا کا جھونکا میری روح تک کو معطر کر گیا میں آنکھیں بند کر کے فضا کو محسوس کرنا چاہا کسی نے نہایت میٹھی سریلی کوئل سی مگر خوف میں ڈوبی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔

"ابا جی۔"میں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

"اوئے پکار اس نے ابا جی کے نام کی لگائی تو نے کس خوشی میں آنکھیں کھولیں ۔"آردشیر نے شکی نظروں سے سرتا پا اسکا جائزہ لیا جواس وقت سفید کرتا شلوار میں ملبوس ہلکی شیو رکھے کھلنڈرا سا نوجوان دکھائی دے رہا تھا۔

اسکا انداز سمجھ کر عمر نے دل میں ہی لاحول پڑھ ڈالی بکواس مت کرو بے غیرت سوچ کر ہی عمر کا حلق تک کڑوا ہوا۔

"چل شاباش آگے پھوٹ۔"آردشیر واپس سے مدعے پر لوٹا۔

"میں نے دیکھا دو خوبصورت حسینائیں آگے پیچھے بھاگتی ہوئی میری طرف آرہی ہیں ۔"

"تو تیرا کیا جا رہا تھا۔ بھاگنے دیتا اب کہیں کسی پر بٹوا موبائل وغیرہ تو چرا کر نہیں

بھاگیں تھیں۔''آردشیر نے پھر سے درمیان میں ہی ٹانگ اڑائی۔

''گدھے انتہائی معصوم لڑکیاں تھیں اور انکی ٹرین چھوٹ رہی تھی اسی لیے دوڑ رہی تھیں۔ایک پل کے لیے تو مجھے کچھ بھی سمجھ نا آیا مگر پھر میں نے شاہ رخ خان کی ساری فلمیں اپنے ذہن کی اسکرین پر گھماڈالی تان آکر ڈی۔ڈی۔ایل۔جے۔پر ٹوٹی۔

بس پھر میں نے فوراہاتھ بڑھادیااس دشمن جاں نے لپک کر ہاتھ تھامااور اگلے ہی پل وہ ٹرین کے اندر تھی۔ہائے وہ اس کی بڑی بڑی آنسوؤں سے لبالب بھری ساحر آنکھوں کا نشہ میں تو اسی میں ڈوب کر رہ گیا۔''

''شاباش یہاں تک تو ٹھیک ہے۔تو تو اسکی ساحر آنکھوں میں ڈوب گیا مگر پیچھے والی کا کیابنا۔''

''سن تو سہی بے صبرے اسی وقت تو مانو نے بڑی ظالمانہ ادا سے مجھے پیچھے دھکیل کر اپنی ہم جولی کو ہاتھ دے کر اندر کھینچ لیا تھا۔''ہاہ اس نے آخر میں گہری آہ بھری۔

لہجے میں عشق کا پہلا دھکا کھانے پر خاصہ تاسف گھلا ہوا تھا۔

''عشق کی ڈگر پر قدم قدم میں دھکم پیل کا سامنا کرنا پڑیگا میری جان اس کو تو ٹرائل سمجھ کر بھول جا۔۔۔۔اور یہ بتامانو کون بلی۔''آردشیر کی شرارت عمر بخوبی سمجھ گیا تھا۔مگر سنجیدہ ہی رہا

''یار تیری بھابھی کا نام مانو ہے۔ سالی جی نے اسے یہی پکارہ تھا۔''اس نے برملا اعتراف کیا۔

آردشیر کا بے ساختہ قہقہہ فضا میں گونجا۔

"تجھ سے بات وات ہوئی بھابھی کی میرا مطلب شکریہ تھینک یو وغیرہ۔" ہنسی رکی تو سوال اٹھا۔

"ہاں نا مانو جی نے کس ادا سے کہا تھا شکریہ۔" عمر یاد ماضی میں ڈوبا۔

مانو جی پر ایک بار پھر سے آردشیر کو ہنسی کا دورہ پڑا تھا۔

عمر نے اسکے بازو پر زوردار دھمو کا جڑا وہ کراہا۔

"سوری سوری۔" ساتھ ہی سنبھلا بھی۔

"دوسری لڑکی خاصی اسٹریٹ فارورڈ قسم کی تھی۔" ساتھ ہی عمر نے حنین کی کہی گئیں باتیں اس کے گوش گزار کر ڈالیں۔

"پیارے اسے منہ پھٹ کہتے ہیں۔" پوری بات سن کر آردشیر نے اپنی رائے دی ویسے تو نے غلطی کی اسی وقت تجھے بھابھی سے اظہار محبت کر دینا چاہیئے تھا۔

گلابی آنکھیں جو دیکھیں تیری شرابی یہ دل ہو گیا۔

آردشیر گنگنایا تو عمر مسکرانے لگا۔

"جگر کچا کام تو تیرے بھائی نے بھی نہیں کیا لینڈ نگ تو ان کی کراچی میں ہی ہوئی ہے۔ اتنی رپورٹ تو پکی ہے۔ میرے پاس مزید بھی پتہ لگ جائے گا۔" عمر پرامید تھا۔

"انشاء اللہ۔" آردشیر نے دل سے کہا تھا۔

تجھے دیکھا تو یہ جانا صنم

پیار ہوتا ہے دیوانہ صنم

اب یہاں سے کہاں جائیں ہم

تیری بانہوں میں مر جائیں ہم

عمر کا ریکارڈ پھر سے بجنے لگا تھا۔اس بار آردشیر نے بھی اسکا ساتھ دیا تھا۔



دیکھا تجھے تو ہو گئی دیوانی پالوں تجھے تو نا ہو مرنے کا غم

مناہل بالکونی میں کھڑی گانوں کا شغل فرما رہی تھی۔

حنین کافی کے مگ لیے وہیں چلی آتی اسکا کپ اسے تھماتے ہوئے ہلکی سی دھپ اسکی کمر میں رسید کی مناہل بیچاری گرم کافی کے چھلک جانے کے خوف سے احتجاج بھی نا کر سکی صرف حنین کو گھورنے پر ہی اکتفا کی۔

"یہ ٹیپ ریکارڈر کس کی یاد میں پھنسا ہوا ہے کتنی دیر ہو گئی یہ ہی لائنز گائے چلی جا رہی ہو۔"

"آخر میں کس کی یاد میں گا سکتی ہوں۔مناہل چڑ گئی تھی۔

"وہ تھا نا تمہارا ٹرین والا ہیرو نمبر 1۔"

"بکو مت۔"مناہل نے گھر کا۔

"ایویں ہی منہ نا بناؤ اتنا ہینڈسم ڈیسنٹ جینٹلمین تھا۔اوپر سے کیا شاندار ہیرو مافق انٹری تھی۔"واہ حنین یاد کر کے جھوم اٹھی۔

"وہ محض ایک اتفاق تھا۔اور اب اس کو بھول جاؤ تم یہ بتاؤ ابا جی پہنچ گئے واپس خیریت سے۔"

"ہاں جی ابا جی کی شاہی سواری سر شام ہی گاوں پدھار گئی تھی۔فکر نا کرو۔"رات

کا اندھیرا ہر سو پھیلا ہوا تھا۔ تاروں کی چھاوں میں بھیگتے دونوں بھرپور افسانوی ماحول میں کافی پینے لگیں تھیں۔



وہ دونوں جی بھر کر اپنی نیند پوری کر کے جب ناشتے کی میز پر پہنچی تو ابھی صرف پونے نو ہوئے تھے۔ پہلے سے وہاں موجود پھپھو اور پھوپھا جی کو سلام کر کے دونوں ناشتے سے انصاف کرنے لگیں تھیں۔

تب ہی برق رفتاری سے اپنی شرٹ کے کف فولڈ کرتا ہوا ناشتے کی میز پر پہنچا رخشندہ بوا میرا ناشتہ لے ایئے جلدی سے مجھے دیر ہو رہی ہے اس نے وہیں سے کچن میں ناشتہ بناتی رخشندہ بوا کو ہانک لگائی وہ بھی الہ دین کے چراغ کے جن کی طرح فورا ناشتہ لے کر حاضر ہو گئیں۔

حنین نے ہاف فرائی انڈہ کھاتے آردشیر کو عجیب سی نظروں سے دیکھا ساتھ دو تقریبا جلے ہوئے ٹوسٹ بھی اسکی دستر خوان کا حصہ تھے۔ وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

"آردشیر بیٹا آج تم مناہل اور حنین کو یونیورسٹی لے جانا داخلے کے فارم بھرنے ہیں انہوں نے پرایا شہر ہے۔ بچیاں کہاں اکیلی خوار ہوتی پھرے گیں۔" صبیحہ نے ناشتے کے میز پر چھائی خاموشی کو اپنے حکم سے توڑا۔

"یہ تو پرائی جوان جہان بچیوں کو بیگانے شہر آنے سے پہلے سوچنا چاہیئے تھا۔" آردشیر بس سوچ کر ہی رہ گیا والدہ کے سامنے ایسی گستاخی کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔ دل ہی دل میں کڑھا اب محترماوں کی پک اینڈ ڈراپ بھی مجھے ہی سنبھالنی پڑے گی۔

"بچیو جلدی جلدی ناشتہ ختم کر کے تیاری کر لو آردشیر پہلے تم لوگوں کو یونیورسٹی چھوڑ دے گا پھر بعد میں آفس چلا جائے گا۔"

"کیوں سعید صاحب آردشیر کی ذرا سی تاخیر سے کوئی حرج تو نہیں ہو گا۔" ساتھ ہی سعید صاحب کو بھی معاملے میں دھکیلا ان کے تاثرات گو کے بگڑے ہوئے تھے۔ مگر پھر بھی ٹھیک ہے کہہ ڈالا۔

"ٹھیک ہیں لے جاتا ہوں۔" بادل نخواستہ آردشیر نے بھی ہامی بھر لی۔

"جیتے رہو میرے بچے۔" صبیحہ خو مخواہ ہی اپنے لال پر نثار ہوئیں۔

وہ دونوں ناشتہ کر چکی تھیں اندر چادر اور ضروری ڈاکومینٹس وغیرہ لینے چل دیں۔

وہ تیار ہو کر سیدھا پورچ میں ہی جا پہنچیں آردشیر کا دور دور تک کوئی نام و نشان وہاں موجود نہیں تھا۔

"مانو اس سڑیل شیرو کا منہ بن گیا تھا۔ جب پھپھو نے ہماری ذرا سی مدد کرنے کو کہا ہے تو اکلوتی پھپھو کا اکلوتا فرزند مگر نہایت بور قسم کا انسان ہے۔"

پیچھے سے آتا آردشیر خود پر تنقیدی تبصرہ سن کر وہیں تھم گیا آہ! انسان کا وہی ازلی تجسس۔

ویسے بھی اسے حنین کا اپنے لیے شیرو لقب قطعی نہیں بھایا تھا۔ اچھا خاصے ناموں کو بگاڑنے کی مشین تھی یہ لڑکی۔

"تم فکر بالکل نا کرو شروع شروع میں ہیروئین کے کام کرتے ہوئے ہیرو کو یونہی بیزاریت ہوا کرتی ہے مگر دھیرے دھیرے یہ وہ سب کام کرنے کے لیے ہیرو ترستا ہے۔"

مناہل نے بات ہوا میں اڑانی چاہی۔

"ہیں ہیروئین کون بھئی ؟" حنین نے کشمکش میں گھر کر پوچھا۔

"ایکسکیوزمی محترمہ یہ بتاؤ آردشیر سے خوامخواہ کی چڑ کسے ہے تمہیں نا تو ظاہر ہے تم ہی ہوئیں۔" مناہل نے ادائے بے نیازی سے کہا۔ حنین جل بھن کر کوئلہ ہوئی۔

"ہیرو اور وہ کوہ قاف کا جن اور وہ بھی میرا یعنی حنین یوسف کا ہیرو۔" حنین نے تنفر سے سر جھٹکا۔

"مجھ جیسی ماہ روح کے وہ بس خواب ہی دیکھ سکتا ہے۔ میرے اسٹینڈرڈ کا نہیں ہے وہ۔"

"تو پھر کون ہے تمہارے اسٹینڈرڈ کا۔" مناہل اسکی نقل اتار کر بولی حنین پر رتی بھر اثر نا ہوا۔

جبکہ آردشیر کا دل تڑپ اٹھا وہ اتنا ہینڈسم ڈیشنگ بندہ اس بیٹو ادی لڑکی کو جن کہاں سے لگا تھا۔ بڑی آئی مس جولیا رابرٹ خود کی شکل تو دیکھے پہلے زکوٹا کی پرنانی دل میں حساب بیباک کرتے ہوئے اس نے حنین کی شکل کو بغور دیکھا۔ تیکھے نقوشوں اور گندمی رنگت والا خوبصورت چمکتا چہرہ اسے اپنے الفاظ غلط ہی لگے وہ بلاشبہ خوبصورت تھی۔ مگر اس کی حرکتیں آردشیر کو ذرا نہیں بھائی تھیں۔

"میرا ہیرو پرسنالٹی تو اسکی بالکل فرحت اشتیاق کے ہیرو سی ہونی چاہیئے اور عادتیں محبت دل پہ دستک کے معید حسن جیسی بس ان دو خوبیوں کا مجموعہ ہونا چاہیے وہ شخص۔" وہ لہک لہک کر بولی آردشیر نے اسکی اتراہٹ کو دانت پیس کر دیکھا۔

"سبحان اللہ یعنی 636 خوبیوں والے نوجوان کو وہ بس دو خوبیوں کا مجموعہ بنائے بیٹھی تھی۔۔"

"ہائے میرا گمنام عاشق۔" اسکی آخری دہائی پر آردشیر ٹھٹھکا گمنام لفظ بار بار دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برستا کچھ کر جانے پر مجبور کر رہا تھا۔

اس نے کرارا سا جواب دینے کا ارادہ فی الفور ملتوی کیا اور ذہن میں لپکے نئے کوندے پر غور و خوض کرنے لگا۔

اپنی برائی تو کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا وہ تو پھر آردشیر تھا۔ بلا کا خود پسند۔

اسے فرنٹ سیٹ سنبھالتے دیکھ وہ دونوں بھی بیک سیٹ پر پہنچی۔

آردشیر نے ماضی میں چند ناول پڑھ رکھے تھے۔ دماغ پر زور ڈالا ایسی سیچویشن میں اکثر کونسا عمل کیا جاتا تھا۔

"لیڈیز میں آپ کا ڈرائیور نہیں ہوں پلیز ایک آگے آ کر بیٹھیں۔" یاد آتے ہی آردشیر نے وہ عمل دوہرا دیا وہ دونوں اس بات کی توقع نہیں رکھتی تھیں بھونچکا رہ گئی۔

حنین کی دماغ میں کئی افسانوں کا ملتا جلتا سا سین گھوما جو جلد مناہل نے کہا تو وہ بنا کچھ کہے فرنٹ سیٹ پر جا بیٹھی۔

جی ہاں آردشیر نے حنین کے ساتھ ایک انتہائی دلچسپ کھیل کھیلنے کی شروعات کی تھی۔ خوابوں خیالوں اور افسانوں سے مل کر بننے والا انوکھا کھیل۔

حنین نے چپکے کن اکھیوں سے آردشیر کو دیکھا۔

سفید رنگت کالی سیاہ بڑھی ہوئی شیو تیکھی ناک اسکی شہد رنگ آنکھیں اس کے

چہرے میں سب سے زیادہ نمایاں تھیں کندھوں تک آتے سلکی بال اسے وہ پورا کا پورا نازک حسینہ لگا کچھ زیادہ ہی خوبصورت ہے۔اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

ڈرائیونگ میں مگن آردشیر نے اسکی نظروں کی تپش محسوس کرتے اسے پلٹ کر دیکھا تو وہ فورا نظریں جھکا گئی۔

آردشیر کے لب پھیلے آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"پاگل لڑکی زندگی کو فرحت اشتیاق کا ناول سمجھ رہی ہے۔اسکے ڈریم ورلڈ سے اسے باہر نکالنا ہی پڑیگا۔"وہ کچھ سوچتے ہوئے مسرور سا ہو کر مسکرا دیا



ایڈمیشن وغیرہ کی تمام تر فارمیلٹیز کو آردشیر نے ان کے ساتھ مل کر پورا کیا تھا۔ پھر اس نے انہیں یونیورسٹی کی کینٹین سے آئیس کریم بھی کھلائی تھی۔دونوں سے بڑے سلیقے سے اسکا شکریہ ادا کیا تھا۔انہیں گھر ڈراپ کرنے بھی وہ خود ہی آیا تھا مگر وہیں پورچ میں شیزا کو دیکھ کر اس کا موڈ بری طرح بگڑا وہ بنا رکے ہی آفس روانہ ہو گیا۔

"جی آپ کون۔"حنین نے بدتمیز شیزا سے پوچھا۔

"پوچھنا تو مجھے چاہیئے آپ کون؟"شیزا انہیں بے ادب بدتمیز لگی۔

"ہم صبیحہ پھپھو کی بھتیجیاں ہیں آردشیر کی ماموں زاد۔"مناہل نے تحمل سے کام لیا۔

"اوہ اب سمجھی تو تم ہو وہ اور یہ تم لوگ آردشیر کی گاڑی میں کیا کر رہی تھیں۔"شیزا کے جارحانہ سوال پر حنین تپ گئی وہ لڑکی آردشیر کو اپنی ملکیت سمجھ رہی تھی شاید۔

"ہم شیرو کے ساتھ لانگ ڈرائیو پر گئے تھے۔کیوں آپ کو کوئی مسئلہ ہے۔یا پھر

آپ نے پیٹرول کے پیسے دینے تھے۔ "حنین نے اسکی بدتمیزی کا حساب فورا بیباک کردیا تھا۔

شیزا جلتی کڑھتی وہیں سے باہر کی جانب واک آوٹ کر گئی تو وہ دونوں بھی اس پر دو حرف بھیج کر اندر کی جانب بڑھ گئیں۔



راکنگ چیئر پر یک ٹک بیٹھ کر جھوکتے اسے تقریبا ساتواں یا آٹھواں منٹ تھا۔ جب اس کے موبائل کی بیپ بج اٹھی۔

تصور جاناں یکدم ٹوٹا اس نے کال ریسیو کرلی دوسری جانب آردشیر تھا۔

"ہیلو۔ "عمر نہایت بیدلی سے بولا۔

"کیا ہوا پیارے۔ "آردشیر کو اس کے بجھے بجھے انداز سے تشویش سی لاحق ہوئی۔

"عشق ! "جواب برجستہ تھا۔

"ملی تمہاری گمشدہ محبوبہ ؟"

"ہائے کہاں یار وصال یار کا قصہ ابھی تک شروع نہیں ہوا دل تو چاہتا ہے۔ شاہ رخ خان کی طرح گمشدہ میری محبوبہ گاتا ہوا سڑکوں پر نکل جاؤں اور شہر کا کونہ کونہ چھان کر اسے ڈھونڈ نکالوں پر افسوس یہ ممکن نہیں۔"

"کیوں ممکن نہیں ملتے ہیں شام کو اور جہاں تک ممکن ہوا کراچی کی خاک چھان ماریں گیں کیا پتہ کہیں نا کہیں مل ہی جائیں بھابھی۔"

"ٹھیک ہے پھر۔ "عمر نے فورا سے امید کا جگنو تھام لیا تھا۔



مناہل اور حنین آج پھپھو اور آردشیر کے ساتھ سینما میں شاہ رخ خان کی نئی لگنے والی فلم دیکھ کر لوٹیں تھیں۔

مناہل تو تھک چکی تھی آتے ہی سو گئی جبکہ حنین کچن میں گھس چائے بنانے چلی آئی کھانا سب نے باہر ہی کھایا تھا۔وہ چائے بنا کر کچن سے نکلی تو پھوپھا جان سے سامنا ہوا۔

"اسلام و علیکم۔"وہ مودب ہوئی۔

"وعلیکم اسلام۔"پھپھا حضور نے بھی نہایت خوشدلی سے سلام کا جواب دیا نظریں ان کی حنین کے چائے والے مگ پر گڑیں ہوئیں تھیں۔

"چائے کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی مجھے۔لاؤ یہ مجھے دے دو اپنے لیے اور بنا لاؤ شاباش۔"پھپھا کے کہنے پر اسے بادل نخواستہ چائے کی قربانی دینی ہی پڑی اب پھر دوبارہ سے کیا کشٹ کرنا تھک بھی چکی تھی۔اس لیے کمرے میں آگئی سونے سے پہلے جیسے ہی اس نے تکیے کے نیچے سے موبائل برآمد کرنے کے لیے ہاتھ مارا ایک رقعہ اس کے ہاتھ لگا ساتھ ہی گولڈن کلر کے ریپر میں لپٹی چاکلیٹ بھی تھی۔اس کھول کر تحریر پر نگاہ دوڑائی تو جیسے اپنی جگہ ساکت ہو کر رہ گئی

"کاش محبت میں بھی انتخابات ہوتے

غضب کی دھاندلی کرتے ہم تجھے پانے کے لیے"

"تم جب کھلکھلاتی ہو اور گیتوں کے سر سے سر ملا کر گیٹ گاتی ہو محبت تیرگی بن کر ہوا میں تیرنے لگتی ہے۔"

تمہارا "مریض عشق"

"ہائے یہ کیا بکواس لکھی ہے۔ وہ چھلانگ مار کر اٹھ بیٹھی اتنی سستی غیر معیاری شاعری لکھنے والا کمینہ آخر ہے کون؟ دماغ کی گھوڑے زوروں سے دوڑائے گئے بھلا کون تھا۔ جو اس کے کمرے تک گھس سکتا تھا۔ کہیں یہ آردشیر تو نہیں تھا۔" دماغ میں خیال آیا۔

"ارے نہیں ایسا سڑیل ہے وہ تو چاکلیٹ جیسی مٹھاس کسی کو دینے سے قاصر ہے وہ اوپر سے اس کے جابر لفظ کہیں سے نہیں لگ رہے یہ اس کے الفاظ۔" خود کلامی میں اپنی ہی نفی کی تھی۔

خط پھاڑ کر پھینکتے ہوئے وہ چاکلیٹ کھول کر کھانے لگی جو کوئی بھی تھا۔ پتہ تو چل ہی جانا تھا۔ اس لیے اس نے زیادہ سر پر سوار نہیں کیا تھا۔



"باجی سمندر پر چلیں۔" کپڑے استری کر کے ابھی ابھی فارغ ہوئے تاجی نے ان کے کمرے میں جھانک کر فرمائش کی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں بلاوجہ کی آوارہ گردیوں کی۔" حنین کا موڈ گرمی کی وجہ سے سخت خراب تھا۔۔

"میں جب سے آیا ہوں اسی چاردیواری میں قید ہوں بیزاریت ہوتی ہے جی مجھے لے دے کے آپ لوگوں نے یہاں پھنسایا ہوا ہے۔ خود تو جی آپ یونیورسٹی چلی جاتی ہیں میں پیچھے پڑا سڑتا رہتا ہوں۔" تاجی خفا خفا سا شکوہ کر رہا تھا۔

"نا پنڈ میں کونسا تم روز پکنک منانے جاتے تھے۔" اس کے ایموشنل ڈرامے کا

حنین پر رتی بھر اثر نہیں ہوا تھا۔

"نہر پر تو جاتا ہی تھا۔ اپنی بکریاں لے کر وہ بھی روز اسی حساب سے فرمائش کی سمندر پر لے جائیں کھلی فضا پہ میرا بھی حق ہے۔" تاجی بھی ٹل کر نہیں دیا تھا۔

"حنین تمہیں کیا اعتراض ہے۔ بچہ ہے خوش ہو جائے گا تاجی تم جاؤ تیاری کرو ہم سب ہی جائیں گے آج اچھا ہے ہماری بھی آوٹنگ ہو جائے گی۔" مناہل وہیں بیٹھی نوٹس بنا رہی تھی۔ بے اختیار ہی اسکی رحم دل طبعیت نے تاجی پر ترس کھایا۔

تاجی باچھیں چیرتا فوراً تیار ہونے کو دوڑا تو بیڈ پر بیٹھی پیر جھکاتی حنین بھی اٹھ کھڑی ہوئی میں پھپھو سے اجازت لے کر آتی ہوں لٹھ مار انداز میں کہہ کر وہ باہر نکل گئی مناہل نے اسے جاتے ہوئے بغور دیکھا پر نظرانداز کر کے جلدی سے کتابیں سمیٹنے لگی۔

"پھپھو دراصل میں مانو اور تاجی ساحل پر جانا چاہ رہے تھے۔" اگر آپ کی اجازت ہو تو پھپھو کے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ روانی سے بولی صبیحہ وہیں صوفے پر بیٹھیں ڈائجسٹ پڑھ رہی تھیں رسالہ میز پر رکھتیں اس کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

"اچھا اکیلی مت جاؤ میں آردشیر کو کہتی ہوں وہ لے جائے گا تم دونوں کو۔" کہتے ہی انہوں نے آردشیر کا نمبر ملایا۔

چوتھی بیل پر اس نے کال اٹھالی تھی۔

"اسلام و علیکم! بیٹا ہاں وہ میں کہہ رہی تھی۔ ذرا دیر کو بچیوں کو سمندر کنارے تو لے جاؤ۔" پھوپھو نے فوراً مدعا بیان کیا دوپٹے کا کونہ مروڑتی حنین بظاہر لاتعلق سی کھڑی تھی۔ مگر پوری توجہ اسی جانب مرکوز تھی۔

جواب سن کر پھپھو نے خاموشی سے فون کاٹ دیا۔

"وہ دراصل آردشیر اس وقت انتہائی اہم میٹنگ میں ہے۔اس کا آنا ممکن نہیں ایسا کرو تم لوگ ٹیکسی سے چلی جاؤ اگر میری بیحد عزیز سہیلی بہت عرصے بعد نا آرہی ہوتی تو میں خود چلی چلتی تم لوگوں کے ساتھ احتیاط سے جانا۔"معذرت طلب کرتے ہوئے پھپھو نے ہدایت جاری کی تو وہ سن کر کمرے سے نکل گئی۔

پھپھو پیچھے بیٹھی دیر تک اس کے بارے میں سوچتیں رہیں انہیں حقیقتاً آردشیر کے لئے حنمین پسند آگئی تھی۔ان کے اتھرے بیٹے کو چلبلی اور دبنگ قسم کی حنمین ہی قابو کر سکتی تھی۔اپنی سوچ پر وہ جی بھر کر خوش ہوئیں تھیں بس اب کسی طرح آردشیر کو راضی کرنا باقی تھا۔



ڈیڑھ گھنٹے تک گاڑی سڑکوں پر یہاں وہاں دوڑانے کے بعد آردشیر کے ساتھ ساتھ عمر بھی مایوس ہو کسی بھی کونے میں وہ دکھائی نہیں دی تھی۔

انھیں اب پردے کی سوجھی ہے اب صورت چھپائی ہے۔
نگاہ یار جب ان کی تصویر کھینچ لائی ہے۔

"پلیز عمر یار یہ دکھی عاشقوں والی شاعری سے مجھے بور نا کر۔"عمر نے کوئی بیسواں دکھیا شعر کہا تو آردشیر ٹوکے بنا نا رہ سکا۔

"ویسے مجھے لوایٹ فرسٹ سائیڈ پر بالکل یقین نہیں تھا۔پر جگر تو ایک عملی تفسیر کی طرح میرے سامنے ہے سامنے کھڑی حقیقت کو جھٹلانا ناممکن ہوتا ہے۔"آردشیر نے

افسوس نے سر دائیں بائیں گھمایا۔

''میرے خیال سے تو محبت ایک وہم ہے۔ جو انسان کو کسی خاص موقع پر لاحق ہو جاتا ہے۔'' عمر کی چپ نے اسے مزید بولنے پر اکسایا

''چلو کچھ دیر ہنستے ہیں

محبت پر عنایت پر

کے بے بنیاد باتیں ہیں سبھی رشتے سبھی ناطے

ضرورت کی ہیں ایجادیں سب

کہیں کوئی نہیں مرتا کسی کے واسطے جاناں

کہ سب ہے پھیر لفظوں کا ہے سارا کھیل حرفوں کا''

موضوع کی مناسبت سے کچھ شاعری ذوق آردشیر نے بھی اچھالا ساتھ ہی کچھ جتلاتی ہوئی نگاہوں سے عمر کو دیکھا اور سر جھٹک کر ہنس دیا ساتھ ہی احتیاط سے موڑ مڑتے ہوئے گاڑی کلفٹن کی جانب بڑھادی۔

عمر نے مونچھوں کو تاو دیتے ہوئے کچھ سمجھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا پھر گلا کھنکار کر جوابی حملے کے لیے خود کو تیار کیا۔

''تو نے کہا عشق ایک ڈھونگ ہے

خدا کرے تجھے عشق ہو

کوئی تجھ کو اس سے جدا کرے

تو اس کی باتیں کیا کرے

تو اس کی باتیں سنا کرے

تو اس کو دیکھ کے رو پڑے

وہ نظر جھکا کر چلا کرے

تو نگر نگر پھرا کرے

تو گلی گلی چلا کرے

تجھے عشق پر ہو پھر یقین

اسے تسبیوں میں پڑھا کرے

میں کہوں عشق ڈھنگ ہے

تو نہیں نہیں کیا کرے"

عمر کی نظم نے انتہائی درجے کی جذباتیت کا مظاہرہ کیا تھا۔

قہقہہ لگاتے آردشیر کا ہاتھ دل پر جا پڑا یار بددعائیں تو نا دے۔

"بددعاؤں سے تو اسی لیے ڈرتا ہے یار کیونکہ محبت کے وجود سے انکاری ہونے کے باوجود تو محبت پر اندر ہی اندر یقین رکھتا ہے۔ کوئی بات نہیں کبھی نا کبھی کوئی لڑکی تیرے دل کے تار چھیڑنے میں ضرور کامیاب ہو گی ایسا ممکن ہی نہیں کے کسی شخص کی پوری زندگی بنا محبت کے نکل جائے محبت ملے یا نا ملے محبت ہوتی ضرور ہے۔ تو بھی ایک دن یونہی مریض عشق بنا میرے پاس آئے گا لکھ لے۔"

"تم ایسے بات کر رہے ہو یار جیسے ولایت اتری ہو۔" تم پر وہ ہنس دیا تو عمر مزید سنجیدہ ہوا۔

"مذاق مت سمجھو عاشقوں پر سچ میں ولایت اترتی ہے۔"

"اچھا عاشق بھائی فی الحال بھول جاؤ ساری باتیں آؤ تمہیں ساحل کی ہوائیں کھلاؤں ۔"آردشیر نے گاڑی پارک کر کے اسے اترنے کو کہا۔

"سمندر دیکھ دیکھ کر تھک اور پک گیا ہوں میں تجھے ہوا خوری کے لیے کوئی اور جگہ نہیں ملتی کبھی۔"

"ہوا خوری کے لیے سمندر سے اعلی جگہ کراچی میں اور کوئی ہو نہیں سکتی ویسے بھی میری کزنز کا جوڑا بھی یہیں موجود ہے شام ہو رہی ہے۔ سوچا انہیں پک کر لوں نئی ہیں شہر میں ایویں ہی راستہ بھٹک گئیں تو مجھے ہی خواری ہو گی۔"

"کونسی کزنز۔"عمر کا سوال نامہ کھلا۔

"نارووال سے آئی ہیں ماموں کی بیٹیاں ہیں یار یہاں فیشن ڈیزائننگ پڑھ رہی ہیں اور بدقسمتی سے ہمارے ہاں ہی قیام فرمایا ہوا ہے۔"وہ دونوں پارکنگ سے نکل کر ساحل کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ریت ان کے قدموں سے لپٹ رہی تھی۔ مگر وہاں آنے والا کوئی بھی فرد ریت کے اس والہانہ انداز پر برا نہیں مناتا تھا۔

وہ دونوں ٹیکسی کے ذریعے تاجی سمیت ساحل پر پہنچی تو سورج ڈھلنے کو تھا۔ تاجی ریت پر بیٹھا گھروندے بنانے میں مصروف تھا۔ وہ دونوں بھی اسے مختلف ہدایات سے نواز رہی تھیں۔ عمر اور آردشیر بھی قریب پتھروں میں گھرے بیٹھے ہوئے تھے۔

یار ڈاڈھی عشق آتش لائی ہے

وے یار سانوں لگ بے اختیاری

عمر کا راگ ایک بار پھر سے بلند ہوا تو اکتایا ہوا آردشیر آئس کریم لینے چلا گیا۔

آئس لے کر پلٹا تو اس نے لب وا کیے پھٹی پھٹی آنکھیں لیے عمر کو کھڑے ہوتے دیکھا اگلے ہی پل اسے زمین پر سجدہ بجالاتے دیکھ وہ بھونچکا ہوا سجدے سے اٹھتے ہی عمر نے سرپٹ دوڑ لگائی تو آردشیر بوکھلا گیا آئس کریم زمین بوس ہوئی اور آردشیر ایک پل کی بھی تاخیر کیے بغیر اس کے پیچھے لپکا۔

"کمبخت کہیں خودکشی ہی نا کرلے ویسے بھی آجکل کے ناکام عاشقوں میں یہ ٹرینڈ خاصہ مشہور تھا۔"

یہ سوچیں آردشیر کا واہمہ ثابت ہوئیں تھیں عمر پھولے ہوئے سانس کے ساتھ دو لڑکیوں کے قریب جارکا تھا۔

"یا اللہ تیرا شکر۔" وہ بھی سانسیں ہموار کرنے کو ان سے تھوڑے فاصلے پر ٹھہرا تب ہی کئی لوگوں کی نظریں خود پر محسوس کر اندر ہی اندر شرمندہ ہوا

"مانو جی آپ یہاں۔" عمر کے لہجے سے فرحت و خوشی کے رنگ چھلک رہے تھے۔

مناہل کی اس جانب پشت تھی۔ وہ کرنٹ کھا کر پلٹی آیا یہ کون تھا۔ جو اس پرائے اجنبی شہر میں اسے اس کے نک نیم سے جانتا تھا۔

مگر سامنے والے پر نگاہ پڑتے ہی چہرے پر شناسائی کے تاثرات ابھرے۔

"اوہ آپ۔" مناہل کی بجائے حنین کی حیرت میں ڈوبی آواز ابھری تھی۔

"جی میں کیسی ہیں آپ۔" عمر کو سارے اخلاقیات نبھائے۔

"بالکل ٹھیک آپ سنائیں۔" وہ دونوں بیک وقت کورس کے انداز میں بولیں۔

"میں بالکل بھی ٹھیک نہیں جب سے آپ کو دیکھا ہے۔" ابھی وہ مزید بھی کچھ کہتا کے اپنے شانے پر کسی کے ہاتھ کا دباو محسوس کر کے مڑا سامنے آردشیر کو دیکھ کر وہ مانو کا تعارف کروانے کو بے چین ہوا۔

مگر اس سے قبل ہی ایک تعارف اسکا منتظر نکلا۔

"شیرو جی آپ یہاں۔" حنین اسے دیکھ کر چونکی۔

"آپ اسے جانتی ہیں۔" عمر نے حیران سا ہو کر پوچھا۔

"بالکل یہ شیرو جی ہیں ہماری پھپھو کے اکلوتے ناہنجار۔۔۔ میرا مطلب ہونہار فرزند۔" حنین نے پھسلتی زبان فورا سنبھالی تھی۔ مگر آردشیر کی بھنوئیں اب خاصی تن چکی تھیں

"اوہ اچھا۔" عمر کے لیے یہ بڑا انکشاف تھا۔

"اسے کہہ سکتے ہیں نا محبوبہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔" عمر نے اردشیر کے کان کے قریب سرگوشی کی تو وہ مصنوعی سا مسکرا دیا۔

"ہماری ملاقات تو پاکستان ایکسپریس میں ہو ہی چکی یہ مانو جی ہیں وہ میں نے ہاتھ دیا تھا۔" عمر بے تکا سا بول بول رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی آخر کہے تو کیا کہے۔

"ویسے میری کزن کا نام مناہل ہے۔ یہ حنین کو نام بگاڑ کر لینے کی بری عادت ہے۔ مجھے بھی شیرو شیرو کہہ کر بلاتی ہو تو دیکھنا ابھی تھوڑی دیر میں تجھے بھی کوئی خطاب دے گی۔" آردشیر کی سرگوشی طویل تھی۔

وہ دونوں انھیں دیکھ رہی تھیں مگر کچھ بھی سن نا سکیں۔

"ویسے شیرو آپ کی تو میٹنگ تھی۔ پھر آپ یہاں۔" یاد آنے پر حنین نے ٹیڑھی نظروں سے گھورتے ہوئے سوال داغا ساتھ ہی اک نگاہ ادھر ادھر بھی گھمائی آیا کسی لڑکی کے ساتھ تو نہیں آیا ہوا۔

"میں یہاں عمر کے ساتھ ہی آیا ہوں دراصل یہ میرا بیسٹ فرینڈ ہے۔ ضروری سلسلے میں ہی ملے تھے۔ ہم اسی لیے تو واپسی پر اسے یہاں لے آیا سوچا تم لوگوں کو بھی گھر ڈراپ کردوں گا۔" وضاحت دیتے ہوئے آردشیر نے ایک اچٹتی سی نگاہ حنین پر بھی ڈال لی۔

جو آج سلک کے سیاہ شارٹ ٹاپ اور جینز میں ملبوس تھی بالوں کی پونی ٹیل بنائے گلے میں میچنگ سٹالر ڈالے نہایت دلکش اور پہلے سے خاصی منفرد لگ رہی تھی۔

آردشیر کو نظر ہٹانا بلاشبہ مشکل لگا۔

"ویسے آج کل یکے بعد دیگرے خاصے فلمی حادثات ہوتے جارہے ہیں زندگی میں ویسے آپ کا نام کیا ہے۔" حنین نے عمر سے پوچھا تھا۔ جبکہ مناہل اس سارے دورانیے مین چپ چپ ہی تھی۔ وہ ویسے بھی کم گو قسم کی لڑکی تھی۔ پٹر پٹر بولنا ہمیشہ سے حنین کا خاصہ رہا تھا۔

"عمر۔" اس نے ایک لفظی جواب دیا۔

"واہ ہماری مانو کو عمر نام بے حد پسند ہے۔ کیا ہی بات ہوتی اگر آپ کا پورا نام عمر جہانگیر ہوتا سونے پر سہاگہ ہی ہو جاتا۔" حنین کی بکواس پر مانو نے اسے گھورا تھا پر اثر ندارد۔

"جی جی میرے والد صاحب کا نام جہانگیر ہی تھا۔" عمر جھٹ بولا وہ قطعی انہیں متاثر

کرنے کا کوئی بھی چانس چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

آردشیر نے بوقت ضرورت گدھے کو باپ بنانے والی کہاوت سن رکھی تھی۔ مگر عشق اپنی ولدیت ہی یکسر بدلتے وہ کسی کو پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔

اب کی بار تو مناہل کو بھی عمر پر توجہ مرکوز کرنی ہی پڑی آخر کو وہ عمر تھا۔ عمر جہانگیر اس کے خوابوں کا شہزادہ۔

بلیک ٹی شرٹ میں گندمی رنگت والا اونچا پورا مرد انتہائی جاذب نظر دکھائی دے رہا تھا۔

وہ حنین ادھر آنا کچھ دیر آردشیر نے حنین کا ہاتھ تھاما اور عمر کو مناہل سے تنہائی میں بات کرنے کا پورا پورا موقع فراہم کرتا ہوا حنین کو لیے لہروں کی جانب چلا آیا۔

حنین کب سے اسکے ہاتھ میں اپنے ہاتھ کو دیکھے جا رہی تھی۔ زندگی میں دوسری دفعہ اپنے ارد گرد افسانوی سا ماحول ترتیب پاتے دیکھ اسے دل سپیڈ سے دھڑکنے لگا تھا۔ آردشیر سے اس کا کچھ تو کنکیشن بحرحال تھا۔ وہ اس سے جذباتی طور پر جڑتی جا رہی تھی۔

وہ خاصی گہرائی کے قریب آچکے تھے۔ رک کر دھیرے سے آردشیر نے اسکا ہاتھ چھوڑ دیا تند و تیز ہوائیں انکا استقبال کر رہی تھیں

"خیریت کچھ کہنے چاہتے ہیں کیا آپ۔" حنین نے اندازہ لگانا چاہا مگر ناکام رہی تھی اس لیے سیدھے سیدھے پوچھ لیا۔

"ہاں وہ دراصل میں نے تمہارے پاس ایک ناول دیکھا تھا۔ دل دیا دہلیز کیا وہ مجھے مل سکتا ہے پڑھنے کے لیے۔" آردشیر نے فوراً بات بنائی کل وہ اس کمرے کے قریب سے

گزرتے ہوئے اسے ناول پڑھتے دیکھ چکا تھا۔اس لیے یہ ہی بہانہ مناسب لگا۔

"اوہ وہ ناول تو میں یونیورسٹی کی لائبریری سے ایشو کروا کر لائی تھی صرف تین دن کے لیے آج ہی واپس کی ہے۔"حنمین کا افسوس ہونے لگا لیکن کوئی بات نہیں جیسے ہی ممکن ہوا میں آپ کو دوبارہ لا دوں گی ساتھ ہی یقین دہانی کروائی وہ ناولز میں اس کی دلچسپی جان کر پرجوش ہوئی تھی۔"آپ کو پتہ ہے میں ساری مشہور رائٹرز کی بہت سی کتابیں پڑھ رکھیں ہیں ناول پڑھنا میرے لیے کسی نشے جیسا ہے۔جب تک ڈوز پوری نا ہو بے چینی گھیرے رکھتی ہے۔میں آپ کو بھی بہت ہی اچھے ناولز۔۔۔۔۔۔۔"لفظوں نے چیخ کا روپ دھارا پانی کے تیز بہاو میں وہ اپنا توازن برقرار نا رکھتے ہوئے لہروں کے حوالے ہونے ہی والی تھی۔بر وقت آردشیر نے اسے اپنی بانہوں میں تھام کر سہارا دیا۔

حنمین کا پیر پھسلا تھا۔اور آردشیر کا دل۔

کچھ فاصلے پر محو گفتگو مناہل اور عمر سارا منظر دیکھ کر متفکر سے ان کی جانب بڑھے تھے۔

آردشیر کی قربت پا کر حنمین کی شام جاں معطر ہو گئی۔

"تم ٹھیک ہو؟"مناہل کے پوچھنے پر وہ دونوں ہی حواسوں میں لوٹے۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔"وہ اپنی خیریت بتاتی آردشیر سے جدا ہوتی سیدھی کھڑی ہو گئی حادثے کا لمحہ دہلا دینے والا تھا تو وہیں اگلے پل نے دونوں کی زندگی کو ایک نیا موڑ دیا تھا۔

مناہل حنمین کو لیے چلی گئی تھی۔

"کیا یہی پیار ہے۔"آردشیر کی آواز مدھم تھی۔مگر اتنی بھی نہیں کے پاس کھڑا عمر

سن نا پاتا۔

شانے اچکاتے عمر نے آردشیر کی نظروں کا تعاقب کیا حننین گیلے پائنچے جھاڑتی نظر آئی۔

"ہاں یہی پیار ہے ہاں یہی پیار ہے"۔ گنگنا کر عمر نے سیٹی بجائی تو آردشیر سر کھجا کر رہ گیا۔



جب وہ گھر پہنچے تو شام کے سائے پھیل چکے تھے۔

پھپھو کی دوست ابھی تک وہیں موجود تھیں۔ اس ان سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

کافی دیر تک ان دونوں کا بائیوڈیٹا لینے کے جب انہیں دیر کا احساس ہوا تو جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں ان کا بیٹا باہر گاڑی میں ان کا منتظر تھا۔ سو سب کو خدا حافظ کہہ کر مناہل کو لپٹا لپٹا کر پیار کرتی ہوئیں خاتون رخصت ہو گئیں۔

عمر کو ان کا انتظار کرتے چند منٹ ہی گزرے تھے۔ جب وہ آکر گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر براجمان ہوئیں تو اس نے فوراً گاڑی منزل کی جانب بڑھائی۔

"اندر آجاتے تم نجانے کب سے باہر کھڑے تھے۔"

"نہیں امی آردشیر سے تو پہلے ہی ملاقات ہو چکی تھی۔ ویسے بھی اس کی کزنز آئی ہوئیں ہیں ایسے میں منہ اٹھا کر ان کے گھر میں **گھس** جانا غیر مناسب لگتا ہے۔"

"ماں صدقے جائے۔" وہ اپنے شریف النفس سپوت پر نہال ہوئیں۔

عمر مسکرادیا۔

"تم اتنے بھولے اور شریف ہو اسی لیے تو تمہارے لیے میں نے خود ہی لڑکی پسند کرلی ہے۔" بڑے آرام سے انہوں نے دھاکہ کیا تھا۔ بے اختیار عمر کا پیر بریک پر پڑا گاڑی کے ٹائر چرچرائے اور گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔

"آئے ہے کیا ہو گیا۔" اس اچانک جھٹکے سے گھبرا کر سائرہ بیگم کا ہاتھ سینے پر جاپڑا۔

"کون لڑکی اماں۔" عمر بیچارگی سے پوچھ رہا تھا۔ اندر ایک خوف کا ناگ سر ابھارے ہوئے تھا۔ وہ جانتا تھا۔ سائرہ جو ٹھان لیتیں تھیں وہ ہر صورت کر کے ہی دم لیتیں تھیں۔

"تم تو جانتے ہو بیٹا مجھے جو چیز پہلی نظر میں اچھی لگے اس کے بعد کچھ بھی نہیں جچتا۔"

"ہے کون۔" عمر کو بے چینی ہوئی کئی ہی ناکام عاشق اسکی ذہن کی اسکرین پر گھوم کر رہ گئے۔

"میں نے ابھی ابھی آردشیر کے گھر ہو بہو وہ لڑکی دیکھی جسے میں ہمیشہ سے اپنی بہو کے روپ میں آئیڈیلا ئیز کرتی ہوں کیا نام تھا۔" اس کا وہ دماغ پر زور دیتے ہوئے بولیں۔

"مناہل۔" عمر کی زبان پھسلی۔

"ہاں لیکن تمہیں کیسے پتہ۔" وہ **ٹھٹھکیں**۔

"وہ بس یونہی آردشیر نے ذکر کیا تھا سرسری سا۔" اس نے سنبھلتے ہوئے صفائی دی۔

"ویسے تو صبیحہ کی دونوں بھتیجیاں ہی بہت پیاری ہیں مگر مناہل مجھے بڑی معصوم سادہ گھریلو سی لگی جبکہ حنین کافی کھلنڈری سی ہے بے پرواہ قسم کی خیر تم بتاؤ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔" انہوں نے بادل نخواستہ ہی سہی مگر بیٹے کی رائے بھی پوچھ ہی ڈالی۔

"نہیں نہیں مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے ویسے بھی مجھے آپ کی پسند پر پورا بھروسہ ہے۔ جس سے کہیں گی اسی سے شادی کر لوں گا۔" عمر فرمانبرداریوں کی پیک پر پہنچا ہوا تھا۔

سائرہ بیٹے کی فرمانبرداری پر خوش ہوئیں۔" جیتے رہو میرے بچے آج تمہارے ابا زندہ ہوتے تو کتنا خوش ہوتے ساتھ ہی مرحوم۔" شوہر کی یاد بھی ستائی تو وہ آبدیدہ ہو گئیں۔

عمر بھی بجھ سا گیا وہ گاڑی دوبارہ سے سٹارٹ کر چکا تھا۔

"ویسے شادی کا ارادہ کب تک ہے۔" تھوڑی دیر بعد اس نے گفتگو دوبارہ شروع کی حالات کی کشیدگی کم کرنے کی چھوٹی سی کوشش تھی جو کامیاب ٹھہری۔

"اسی مہینے کی کوئی تاریخ رکھنے کا ارادہ ہے۔ میرا بس کسی طرح صبیحہ اپنے اماں کو منا لے میں اس کے کان میں بات ڈال آئی تھی۔ جیسے ہی کوئی مثبت جواب ملا میں فوراً تاریخ پکی کر دوں گی۔"

"مگر ابھی وہ پڑھ رہی ہے۔" وہ کہہ کر پچھتایا۔ سائرہ نے اس دفعہ بھرپور شکی نظروں سے اسے بغور دیکھا۔

"تمہیں بڑی معلومات ہے۔ اس کے بارے میں۔"

"آردشیر نے ہی بتایا تھا۔" وہ **گھگھیایا**۔

"خیر پڑھائی تو شادی کے بعد بھی کی جا سکتی ہے۔ یہ کوئی اتنا بڑی وجہ نہیں ویسے بھی میں تنہا رہ رہ کر تھک چکی ہوں مجھے تو فوراً گھر میں بہو چاہیئے۔" وہ بضد ہوئیں تھیں۔

"صبیحہ کو تو میں کئی سالوں سے جانتی ہوں دیکھا بھالا خاندان ہے یوں بھی تاخیر کی کوئی خاص وجہ نہیں بنتی۔ اور یوں نا ہو کے دیر کے چکر میں اچھا خاصہ رشتہ ہاتھ سے نکل

جائے۔"

اس بات کا خدشہ تو اسے بھی تھا۔ فورا" جی اچھا" کہہ دیا تو وہ بھی خوش باش سی مسکرادیں۔



"میری طبعیت ٹھیک نہیں ہے میں آج یونیورسٹی نہیں جاوں گی مناہل کو رات سے بخار ہو رہا تھا۔" اس لیے خود سے ہی فیور کی کوئی ٹیبلٹ کھا کر وہ آرام کر رہی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے آرام کرو پر آج بہت ضروری آسائنمنٹ جمع کروانی ہے۔" اس کے بارے میں کیا سوچا ہے حنین متفکر ہوئی۔

"اس میں کیا بڑی بات ہے۔ تم ہی جمع کرو دینا میری اسائنمنٹ۔" وہ بیزاریت سے بولی۔

ناشتے کے لیے بلانے کی غرض سے آیا آردشیر دروازے پر ہی ان کی گفتگو سن چکا تھا۔ اگلا لائحہ عمل سوچ کر ہی وہ مسکرایا۔

پھر ایک نمبر ڈائل کر کے انتظار کرنے لگا کچھ دیر بعد کال اٹھالی گئی تھی۔ "اسلام و علیکم میں آردشیر آفندی بات کر رہا ہوں آج حنین اور مناہل یونیورسٹی نہیں جائیں گی آج آپ کو آنے کی ضرورت نہیں شکریہ اللہ حافظ۔" کہہ کر اس نے فون بند کیا اور انہیں ناشتے کا عندیہ دیتا واپس ہوا۔

متوقع طور پر حنین کو یونیورسٹی ڈراپ کرنے کے لیے صبیحہ نے آردشیر ہی سے کہا تھا۔۔

اس نے پلان کے عین مطابق بنا چوں چراں کیے ہامی بھرلی۔

تمہیں دل لگی بھول۔

گاڑی مین روڈ پر لاتے ہی آردشیر نے میوزک سسٹم آن کر دیا۔

"تمہیں دل لگی بھول جانی پڑے گی

محبت کی راہوں میں آکر تو دیکھو"

گاڑی میں ہر سو نصرت کی پر سوز آواز گونجنے لگی تھی۔

"تڑپنے پہ میرے نہ پھر تم ہنسو گے

کبھی دل کی راہوں میں آکر تو دیکھو"

شاہراہ فیصل پر ٹریفک کے ساتھ ساتھ حنین کا دل بھی کہیں جام ہوا۔

آردشیر کی نظریں کتنی ہی بار اس کے چہرے کا طواف کر چکیں تھیں۔

یونیورسٹی پہنچی تو گیٹ پر ہی راحیلہ اور شائل نے اسے گھیر لیا۔

"کس کے ساتھ آئی ہو؟" راحیلہ نے انویسٹیگیشن کا سلسلہ شروع کیا یہ دونوں اس کی کلا میٹس تھیں دونوں سے اس کی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔

"میرا کزن ہے۔؟"

"اتنا ہینڈسم کزن اور ہمیں ہوا تک نہیں لگنے دی۔" شائل نے آنکھیں گھما گھما کر اس کی خبر لی۔

"تمہارا کوئی چانس نہیں ہے۔ اس لیے بتا کر بھی کچھ حاصل نا ہوتا۔" حنین تھوڑا سا اترائی پھر شرمائی۔

"ہاں ہاں تم نے جو ڈورے ڈال لیے ہوں گے ہمارا چانس تو مارا ہی جانا تھا ویسے بھی۔" راحیلہ نے اسے ٹہوکا دیا تو وہ بلبلا کر رہ گئی۔

"نام تو بتاؤ ہیرو کا۔" شائل آردشیر کی پرسنالٹی سے کچھ زیادہ ہی متاثر دکھائی دے رہی تھی۔۔

"آردشیر۔" وہ دھیمے سروں میں کہتی ہوئی جھینپ گئی۔

"دال میں کچھ تو ضرور کالا ہے۔" راحیلہ نے آنکھیں مٹکائیں۔

حنین کسی بھی بات کی تصدیق یا تردید کیے بغیر بڑھ گئی تو ان دونوں نے بھی اس کی تقلید کی۔

اس نے جونہی ڈیسک پر آکر بیگ کھولا سامنے ہی سفید رنگ کی مڑی ہوئی پرچی دکھائی دی وہ کھول کر پڑھنے لگی۔

"لذت ہجر بھی غضب چیز ہے
ہم تجھے بار بار کھوئیں گیں"

صبح سے شام تک تمہارا انتظار میرے لیے نجانے کیوں ہجر کے زمرے میں آنے لگا ہے۔آج تمہیں کالج ڈراپ کر کے اکیلے جانا بہت مشکل ہوگا

"تمہارا مریض عشق"

مختصر و جامع عمارت نے اس کے ہوش اڑا دیئے تھے۔

خط پڑھ کر لکھنے والے کا پتہ اس پر واضح ہو چکا تھا۔یقیناً آردشیر وہی تو اسے ڈراپ کر کے گیا تھا۔

حنین نے دو چار چھ بار خط بار بار پڑھا جیسے اپنی خوش نصیبی پر یقین نا آرہا ہو پھر گھر آنے سے پہلے وہ خط پھاڑ کر وہیں کہیں پھینک آئی تھی۔ وہ ڈائریکٹ آردشیر سے بات کرنا چاہتی تھی۔ مگر جب وہ ہی اس کے سامنے آکر کھل کر بات کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ تو پھر وہ اپنی لاج کی دہلیز کیسے پھلانگ سکتی تھی۔ اس لیے بظاہر وہ آردشیر کی طرح ہی چپ کا لبادہ اوڑھے رہی تھی۔ اسے مناسب وقت کا انتظار تھا۔



کچھ تو ہوا ہے۔ کچھ ہو گیا ہے بدلی ہوئی سی میری ادا ہے۔

راہ میں بکھرے تارے لگتے ہیں پھول اب زیادہ پیارے لگتے ہیں۔

لان سے آتی آواز پر ٹھٹھک کر آردشیر رکا تھا۔

وہ وہیں چلا آیا سامنے ہی دوپٹہ لہرا لہرا کر ثریا گھوشال بنی گانا گاتی حنین تھی۔ پھولوں کا خوبصورت سا دستہ ہاتھوں میں لیے اسے نرمی سے چھوتی وہ اپنی موج میں گم تھی۔

کسی کی نظریں اپنی پشت پر محسوس کر کے وہ پلٹی تو سامنے کھڑے مسکراتے ہوئے آردشیر کو دیکھ کر خجل سی ہو کر دوپٹہ درست کرنے لگی۔

آردشیر نے آگے بڑھ کر خاموشی سے اس کے ہاتھ سے گلاب تھام لیے اور پھولوں کی پتیاں نوچ کر اس پر برسانے لگا حنین نے کے انگ انگ سے خوشی پھوٹنے لگی تھی۔

آردشیر بنا کچھ کہے ہی واپس مڑ گیا تو وہ بھی دھڑکتے دل کو سنبھالتی ہوئی مانو کے پاس کمرے میں چلی آئی۔

جہاں مانو پھر سے نمرہ احمد کا کوئی ناول کھولے بیٹھی تھی۔ اندر آتی حنین پر اچٹتی سی

نگاڈالی تو اس کے چہرے پر بکھرے شباب کو دیکھ کر چونکی۔

"کیا ہوا تمہیں یہ شوخیاں یہ مسکراہٹیں یہ رنگینیاں۔" وہ شرارت سے بولی۔

"کچھ بھی نہیں۔" حنین نے صاف جھوٹ سے کام چلایا خط والی بات بھی اگر وہ مناہل کو بتا دیتی تو اسے چھیڑ چھیڑ کر مناہل نے اس کے ناک میں دم کر دینا تھا۔اس لیے یہ معاملہ بھی اس نے چھپایا ہوا تھا۔

حنین کے لیے نئی نویلی محبت کا اعتراف کرنا یوں بھی مشکل کام تھا۔

مناہل کندھے اچکاتی ایک بار پھر ناول میں گم ہوئی۔

تم پاس آئے یوں مسکرائے

تم نے نا جانے کیا کیا سپنے دکھائے

اب تو میرا دل جاگے نا سوتا ہے

کیا کروں ہائے کچھ کچھ ہوتا ہے

"خیر سے حنین بی بی یہ جو کچھ کچھ ہوتا ہے۔ وہ کیا ہے۔" مناہل نے ٹوکا تو وہ بدمزہ ہوئی۔

"کچھ بھی نا مجھے کیا ہو گا بھئی پیچھے ہی پڑ گئیں تم تو بات کے ویسے کچھ کچھ تو تمہارے اس رومیو کے دل میں ہوتا ہے۔ جو تمہیں ایک بار چلتی ٹرین سے ہاتھ دینے پر خود کو سچ مچ کا راج سمجھ بیٹھا ہے۔"

"بکومت رائی کا پہاڑ بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔" مناہل نظریں چراتی ہوئی بستر پر دراز ہوئی اور حنین کی جانب سے رخ پھیر لیا کتاب وہ پہلے ہی بند کر کے تکیے کے نیچے رکھ چکی

تھی۔

"واہ جی واہ میں رائی کا پہاڑ بناتی ہوں اور وہ جو مجنوں بنا تمہارے پیچھے پیچھے ساحل سمندر تک آپہنچا۔"حنین نے لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچایا مگر افسوس مناہل کونسا دیکھ رہی تھی۔

"حنین بی بی میں پہلے بھی کہہ چکی وہ صرف اور صرف ایک اتفاق تھا۔"اس نے پلٹ کر مصنوعی مسکراہٹ اچھالتے ہوئے چبا چبا کر کہا۔

"ہاں جی بھری پری دنیا میں ایک اتفاق تو صرف تمہارے ساتھ ہی رونما ہوتے ہیں۔ ایک کام کرو اسکا نام کی بجائے اتفاق ہی رکھ دو کم از کم میں تو تمہاری جھوٹی صفائیوں میں نہیں آنے کی۔"حنین کے جل کر کہنے پر مناہل کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"حنین یہ حقیقی دنیا فلموں اور ناولز سے قطعی مختلف ہم کتنے ہی گانے گا گا کر خود ہو ہیروئینز کے مرتبے پر فائز کرنے کی کوشش میں لگی رہیں ایسا ممکن نہیں زندگی میں وہ سب مشکل ہوتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔"مناہل نے سنجیدگی کا لبادہ اوڑھا۔

"ثابت کیا کرنا میں تو ہوں ہیروئن اور مشکل ہی سہی مگر زندگی ہماری خواہشات کبھی نا کبھی پوری ضرور کرتی ہے۔راستہ چاہے کیسا دشوار کیوں نا ہو ویسے بھی شاہ رخ خان کی رومانوی فلمیں دیکھ کر میں ایسی سڑی ہوئی نا امیدی کی زندگی نہیں گزار سکتی ہر کسی کے لیے اس کا جیون ساتھی بنایا گیا ہے۔اور بس میرا یقین اتنا ہے کے جو میرا لائف پارٹنر ہو اس سے میں بے پناہ محبت کروں اور وہ مجھے بے حد چاہے انتہائی سادہ سا فارمولا ہے۔"

"ٹھیک کہا تم نے محبت فارمولا ہی تو ہے۔فرق صرف اتنا ہے۔اسے کوئی انسان خود

اپلائی نہیں کرتا یہ خود بخود ہی زندگی میں سرایت کرتا چلا جاتا ہے۔ کیوں کیا خیال ہے۔" آخر میں مناہل نے حنین سے رائے لی۔

"واہ مانو بیگم تمہیں تو کراچی کی ہوا لگ گئی ہے۔ بڑی عجیب و غریب مگر ٹھیک باتیں کرنے لگی ہو۔" اسے داد دیتے ہوئے حنین رجسٹر نکال کا لیکچر ریپیٹ کرنے لگی تو مناہل نے بھی توجہ پڑھائی کی طرف کی۔

پہلا پہلا سمسٹر تھا۔ پڑھائی کرنا بہت ضروری تھا۔۔ اگر جو وہ کہیں فیل ہو جاتیں تو بے جی کی چھترول نے انکا بلیدہ نکال کے ہی دم لینا تھا۔



یونہی سوتے جاگتے یونیورسٹی جاتے دن ایک مرتبہ پھر سے یکسانیت کا شکار ہوئے تو حنین کو یک گونہ بوریت کے احساس نے آستایا گھر کی یاد الگ ستائی تو وہ چھت پر چڑھ آئی آسمان پر جا بجا پھیلے کالے گھنے سیاہ بادلوں نے رات کا سا سماں پیدا کر رکھا تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی شہر روشن کے مزاج پر اچھے اثرات مرتب کر رہی تھی۔ لوگ بارش دیکھ کھل اٹھے تھے۔ تو وہیں سڑکیں اور مکان بارش کی لپیٹ میں دھل دھل کر نکھر رہے تھے۔ ایسے میں حنین بھی بارش سے اٹھکیلیاں کرتی لطف اندوز ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں مناہل بھی اس کے ہمراہ اس مشغلے میں شامل تھی۔

بھیگا بھیگا سا یہ دسمبر ہے بھیگی بھیگی سی تنہائی ہے

ان ختابوں میں جی نہیں لگتا مجھ کو سجنی کی یاد آئی ہے۔

ان کی پشت پر ابرار الحق کے مشہور زمانہ گیت کی اواز گونجی۔

"ہائے یہ کون ہے۔میرا شیدائی میری یاد میں پاگل۔"

حسب عادت حننین کی زبان پھسلی مگر جن نظروں سے جوابا مناہل نے اسے تکا وہ پچھتائی۔

اگلے ہی پل مناہل کی ہنسی کا فوارہ چھوٹا۔

ایسی حماقت وہ پہلے بھی کر چکی تھی۔اور مناہل کے ہاتھوں اپنی اچھی خاصی درگت بنوا چکی تھی۔۔

مگر کمان سے نکلا تیر اور زبان سے نکلے الفاظ بھلا کب لوٹا کرتے ہیں۔

گزشتہ واقعہ اسکی یادداشت میں ہنوز تازہ تھا۔

فرسٹ ائیر کے ایگزامز کے بعد وہ دونوں ہی نارووال میں اپنی چھٹیاں گزار رہی تھیں۔

ان ہی دنوں گرمیں کی ایک دوپہر جب چار سو سناٹوں کا راج تھا۔ایک پرسوز آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔۔

دریا کی لہروں سے عشق نا ہارا موج ہی کیا جو ڈھونڈے کنارہ ہو ہو ہوااووووو

حننین تو حننین مناہل بھی ڈائجسٹ چھوڑ چھاڑ اسی جانب متوجہ ہوئی۔

مجھ سے وہ روٹھے چاہے مجھ سے لڑے خوش وہ رہے چاہے دل وہ دکھائے پردے میں رہے چاہے سامنے آئے۔

عشق میں سوہنیوں کے بہہ گئے گھڑے ہو خوش وہ رہے چاہے دل وہ دکھائے مجھ سے وہ روٹھے چاہے مجھ سے لڑے ہو خوش وہ رہے۔

"یہ تو مجھے کوئی شدید قسم کا عاشق لگتا ہے۔"حنین نے پرسوچ نظریں چھت پر گاڑھے ہوئے تبصرہ کیا۔

"وہ کیسے؟" مناہل نے پوچھا۔

"ہک ہاہ مانو میری جان ایسا درد ہمیشہ عاشقوں کی آواز میں ہوتا ہے۔ جہان بھر کے ناول پڑھ لیے تم نے مگر ایک عنیزہ سید کو ہی نہیں پڑھا ورنہ عاشقوں کی ساری کوالٹیز پتہ ہوتیں تمہیں۔"حنین نے اس کی کم علمی پر اظہار افسوس کیا۔

مجھ سے وہ روٹھے چاہے مجھ سے لڑے ہو ہو ہو۔

راگ مزید بلند ہوا۔

"لو جی بس پکم پکا یہ میرا ہی عاشق ہے۔بقول بے بے اس گاوں میں سب سے زیادہ لڑاکا اور جھگڑالو میں ہی ہوں۔" وہ منہ کے زاویے بگاڑ کر کہتی مانو کا چونکا گئی۔

"ہائے کہیں واقعی یہ تمہارا عشق نا نکل آئے بھاگو چھت پر چل کر محترم کے دیدار تو کر آئیں۔" کہتے ہوئے ہی مانو نے چپل پیروں میں اڑسی اور فوراً زینے کی جانب لپکی۔

حنین نے بھی بنا کسی تاخیر اس کا پیچھا لیا۔

چھت پر پہنچ کر منڈیر سے دونوں نے بیک وقت نیچے جھانکا جہاں نیم کے درخت سے پشت ٹکائے بیٹھ چھیدا ماچھی ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

"در فٹے منہ۔"حنین کے سارے تصور کا مزہ کرکرا ہو گیا تھا۔اوپر سے چھیدے ماچھی کو دیکھ کر تو اس نے دل میں ہی لاحول پڑھ ڈالی۔

وہ دن اور آج کا دن مناہل کو جب بھی یہ واقعہ یاد آتا اس کی ہنسی رکنے کا نام ہی نہیں

لیتی تھی۔

اس کی بتیسی سے چڑ کر وہ وہاں سے واک آوٹ کر گئی سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے اسے ٹیرس پر کھڑا گنگناتا ہوا آردشیر دکھائی دیا تو اس کے دل کو یک گونہ طمانیت کا احساس ہوا کم سے کم آج چھیدا ماچھی نہیں تھا۔



نجانے سائرہ نے کب صبیحہ بیگم اور صبیحہ بیگم نے آرندہ بیگم بات کی تھی۔آرندہ بیگم کو تو یوں بھی پوتیوں کو بیاہنے کی از حد جلدی تھی۔ خفیہ پولیس کی طرح اچانک شہر چھاپہ مار دیا بیٹی سے مل ملا چکیں تھیں لہذا پوتیوں کی یاد ستائی۔

"بھئی کڑیاں (لڑکیاں) کدھر ہیں۔"

"آج چھٹی ہے نا بیجی تو سو رہی ہیں آپ کی بھی تو اچانک آمد ہوئی ہے نا پہلے بتا دیتیں تو میں آردشیر کو ائیر پورٹ بھیج دیتی وہ آپ کو اپنی گاڑی میں لے آتا خوامخواہ ہی ٹیکسی کی خواری اٹھائی آپ نے۔" صبیحہ نے گلہ کیا مگر انہیں مطلق پرواہ نہ تھی۔ وہ ایسی ہی تھیں من موجی سی کبھی بھی کچھ بھی کر گزرنے والیں۔

"غضب خدا کا اتنا دن چڑھ آیا ہے۔ ابھی تک نیندریں (نیند) ہی پوری نہیں ہوئیں ہیں۔ تو بگاڑ رہی ہے۔ کم بختوں کو نا میں پوچھتی ہوں پورا ہفتہ کونسا وہ زمینوں کو پانی لگاتی رہتی ہیں جو آج ابھی تک سوئی نیند پوری کر رہیں ابھی پوچھتی ہوں میں۔" وہ بگڑے تیور کیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تاجی کمرہ دکھا مجھے۔" بے جی نے قریب ہی ڈسٹنگ کرتے تاجی کو حکم دیا تو وہ"

اچھا جی'' کہہ کر آگے آگے چل پڑا۔

''ارے کم بخت ماریو دوپہر چڑھ آئی اب تک سو رہی ہو ہیں پہلے ہی میں نے تمہارے ابے کو منع کیا تھا۔ وڈے شہر بندوں کو بندے کا پتر نہیں رہنے دیتے۔'' بے بے نے اندر داخل ہوتے ہی ان سے کمبل کھینچ کر اتارا وہ ہائے دہائے ڈال دی ساتھ ہی اے سی بھی بند کر دیا جس کی بدولت کمرے میں پھیلی خنکی میں فورا کمی آئی۔

وہ دونوں اس اچانک افتاد کو خواب سمجھ کر ذرا سی آنکھیں کھول کر یہاں وہاں نظر دوڑانے لگیں اپنے سر پر کھڑی تیز نظروں سے گھورتیں بے بے کو دیکھ کر دونوں کی آنکھیں حیرت و شاک سے پھیلتی چلی گئیں۔ دونوں اگلے ہی پل کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھیں۔

''بے بے آپ۔'' یہ جسارت حنین تھی۔

''ہاں میں اور کیا میری آتما بھٹکتی ہوئی آئے گی پر جس قسم کے تمہارے کرتوت ہیں نا مر کے بھی سکون نہیں لینے دو گی تم مجھے ہیں سسرال جا کے ساری تربیت کھوہ میں ڈال کے میرے سر پہ سواہ (راکھ) ہی ڈالو گی تم۔'' بے بے بری طرح تپی ہوئیں تھیں۔

''اسلام و علیکم میری پیاری بے بے کیسی ہیں آپ۔'' اٹھ کر حنین نے بے بے کو بانہوں میں بھر لیا تو جیسا تپتا ریگستان یک لخت ہی گلستان میں تبدیل ہو گیا بے بے کے تنے ہوئے تاثرات دھیمی سی مسکان میں بدل گئے۔

''و علیکم اسلام جیتی رہو چلو شاباش دونوں پانچ منٹ میں مجھے باہر ملو۔'' وہ حکم صادر کرتیں یہ جا وہ جا۔

پیچھے دروازے میں کھڑا تاجی اپنے پیلے دانت چمکاتا حنین کو زہر لگا تھا۔

''اوئے گدھے کہیں یہ تمہاری کارستانی تو نہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے اس الو کے پٹھے نے بے بے کو فون کر کی کوئی پٹی پڑھائی ہو یہ بے بے کا پکا جاسوس ہے میں بتا رہی ہوں مانو اگر یہ اس کی کوئی حرکت ہوئی نا تو یہ پورا ہو جائے گا میرے ہاتھوں۔'' آستین چڑھاتے ہوئے بالکل غنڈوں کے سٹائل میں حنین نے تاجی کو دھمکایا تھا۔

''قسم لے لیں مانو باجی میں نے بے بے کو کچھ نہیں بتایا الٹا سو سو کے نوٹ دے کر حنہ باجی مجھ سے بے بے کو فون کروا کے سچی جھوٹی اپنی تعریفیں کرواتی رہی ہیں جی۔'' تاجی نے تڑپ کر اس کے الزام کی تردید کی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے حنین تاجی نے ایسا کچھ نہیں کیا ہو گا مجھے پتہ ہے۔ بے بے خود ہی اداس ہو چلی آئی ہونگی ویسے بھی بے بے کے اصولوں کے خلاف تھوڑی بہت ڈنڈیاں ہی ماری ہیں ہم نے ایسا کوئی جرم نہیں جس کی پاداش میں کوئی سخت نتائج بھگتنے پڑیں اس لیے ایزی ہو جاؤ اور جلدی چکو پانچ منٹ یہیں نکال دیئے تم نے۔'' مناہل نے تاجی کی حمایت کی تو وہ بھی فوراً منظر سے غائب ہو گیا مناہل باتھ روم میں فریش ہونے **گھس** گئی تھی۔ حنین بھی الماری سے اپنے کپڑے نکالنے لگی ابھی تک بے بے نے اس کی جینز پر توجہ نہیں دی تھی۔ ٹانگیں کمبل میں ہونے کے باعث وہ ان کی عقاب نما نظروں کے گھیرے سے بچ گئی تھی۔ اب فوراً لباس بدل لینے میں ہی عافیت تھی۔

''یہ کیا نحوست پھیلا رکھی ہے تم دونوں نے۔'' وہ تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچی تو بے بے کی کلاس کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہوا۔

''کونسی نحوست۔'' حنین کو برا لگا۔

"دن چڑھے تک کمبل تانے سوئے رہنا نحوست نہیں تو اور کیا ہے۔" بے بے بھی پوری تھیں۔

"ارے بیجی چھوڑیں بھی بچیاں ہیں۔" صبیحہ نے حمایت کرنے کی ناکام سی کوشش کی۔

"اتنی کھوتے کھوتے جتنی تو ہو گئیں ہیں کب ختم ہو گا ان کا بچپنا۔" بے بے کی گوہر افشانی اپنے کمرے سے برآمد ہوتے آردشیر نے بڑے مزے سے سنی تھی۔۔

حنین کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔

"ارے آو آردشیر سلام کرو نانی اماں کو۔" صبیحہ کو آردشیر کی صورت موضوع بدلنے کا گویا بہانہ مل گیا تھا جھٹ بولیں۔

"اسلام و علیکم نانو۔" آردشیر نے جھک کر نانی کو سلام کیا تو انہوں نے اس سر پر دست شفقت دراز کرتے ہوئے اس کے ماتھے کا بوسہ لے ڈالا۔

"ماشاءاللہ جوان ہو گیا ہے۔" شیر نواسے کو سالوں بعد دیکھ کر انہیں دلی مسرت کا احساس ہوا تھا۔

ساتھ ہی اپنی عینک درست کر کے بغور دیکھا کم پوسٹ مارٹم زیادہ کیا۔

"تمہارا بیٹا تو بڑا خوبصورت ہے کہیں سے بھی باپ کے ناک نقشے پر نہیں گیا۔" بے بے کی اس صاف گوئی پر صبیحہ بل کھا کر رہ گئیں جبکہ آردشیر نے بھی گلا کھنکارتے ہوئے ان کی بات کو ہضم کرنے کی کوشش کی کچھ دیر بعد وہ قیلولہ کی غرض سے گیسٹ روم میں چلی گئیں تو سب ہی سکھ کا سانس لیا۔

"بے جی بھی نا ذرا لحاظ نہیں کرتیں کسی کا۔" اپنے کمرے میں آکر حنین نے اپنی خفگی کا اظہار کیا۔

"چھوڑو یار بے بے کی عادت ہے۔ ویسے بھی اوپر اوپر سے سخت دکھائی دیتی ہیں اندر سے تو بالکل نرم ہیں روئی کی طرح۔" مناہل کبھی بھی بے بے کہ باتوں کو دل پر نہیں لیتی تھی۔

"روئی کی طرح مثال تو ڈھنگ کی دو خیر دفع کرو سب کچھ پوری چھٹی کا ہی بیڑہ غرق ہو گیا کیا کیا سوچا تھا۔ کسی فائیو سٹار ہوٹل میں جا کر ڈنر کریں گے کوئی فلم شلم دیکھیں گے پر ناجی واردات سے پہلے ہی سپاہی حملہ آور ہو گئے ہیں۔" اپنی منصوبہ بندی اکارت جاتے دیکھ حنین کو شدید قلق نے ستایا۔

"سر شام ہی پھپھو اور بے بے نک سک سے تیار اکیلے اکیلے ہی کہیں روانہ ہوئیں تھیں۔" تا جی نے اطلاع بہم پہنچائی تو وہ دونوں مزید تجسس کا شکار ہوئیں۔

"ہو سکتا ہے بے بے یونہی شاپنگ کرنے گئی ہوں۔" مناہل کو ہمیشہ اچھا اچھا سوچتے رہنے کی عادت تھی۔

"اگر تم چنگیز خان کے دور میں پیدا ہوئیں ہوتیں تو یقیناً اپنی اس احمقانہ سوچ کی بدولت ہی اس کے ہاتھوں ذبح ہوتی ایک بات ذہن نشین کر لو بے بے اگر میری بے بے ہیں تو میں بھی ان ہی کی پوتی ہوں دال کالی ہے اور میں اس کا پردہ سر عام فاش کر کے ہی دم لوں گی۔" حنین کافی گہرائی میں جا کر سوچ رہی تھی۔

انہیں زیادہ صبر نہیں کرنا پڑا تھا۔ بے بے کی آمد کا عندیہ اگلے روز ہی کھل گیا تھا۔

مناہل اور حنین کو ساتھ ساتھ اپنے کمرے میں بٹھا کر انہوں نے عمر کے پرپوزل کے بارے میں بتایا تھا۔ اور ساتھ ہی رشتہ پکا کر دینے جیسا دھماکا بھی کر ڈالا پہلی نظر میں ہی آرندہ بیگم کو وہ لوگ پسند آ گئے تھے۔ صبیحہ انہیں سالوں سے جانتی تھیں اس لیے زیادہ چھان بین کی نوبت پیش ہی نہیں آئی تھی۔ اس لیے ان کے گھر سے واپسی پر آرندہ بیگم پوری رات اس رشتے پر غور و فکر کرتی رہیں تھیں۔ انہیں لڑکا ہر طرح سے مناہل کے لیے موزوں لگا تھا۔ اس لیے صبح اٹھتے ہی فون کھڑکا کر سائرہ اور عمر کو مبارکباد دے ڈالی اور اب بیٹھیں ان دونوں کو تفصیل سنا رہیں تھیں۔

جو اس ساری کھچڑی کے پکنے تک اس کی خوشبو سے بھی محروم رکھی گئیں تھیں۔

دل میں تو کئی بتاشے پھوٹے مگر جیسے آپ کی مرضی جیسے الفاظ تقریباً منمنا کر مناہل وہاں سے بھاگ نکلی تھی۔

"اندر ہی اندر یہ سیاست خود لو میرج کے منصوبے اور مجھ معصوم کو لمبے چوڑے لیکچر کے۔ افسانوی دنیا دھوکہ ہے فریب ہے۔" ہاں حنین نے خوب خبر لینی چاہی۔

"تیری قسم حنین مجھے کچھ نہیں پتہ تھا۔ ہاں بس مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہوا معلوم نہیں کیوں شاید عمر جہانگیر کو دیکھ کر میرے دل میں بھی کہیں یہ خواہش بیدار ہوئی تھی کہ میں انہیں پالوں۔" شرماتی لجاتی مانو پر حنین صدقے واری ہوئی۔

"ہائے بنو تم تو بنو گی دلہن کتنا مزہ آئے گا مجھے تو یقین ہی نہیں ہو رہا۔" حنین کی خوشی دیدنی تھی۔

"فی الحال یقین دلا کر کرو گی بھی کیا ابھی تو میری تعلیم جاری ہے شادی دور کی بات

ٹھہری۔"

"لو جی دنیا جہان کو علم ہے ایک بنو رانی کی معصومیت میں ماری گئیں پڑھائی وڑھائی بھول جاو اب تو بس عمر جہانگیر تمہیں عشق کے لمبے لمبے قصیدے ہی پڑھائے گا۔" حنین نے گویا مکو ہی ٹھپ کیا۔

"مطلب؟" مناہل نے بھنوئیں اچکائیں۔

"تمہاری شادی کی تاریخ پکی ہو چکی ہے۔ بے بے کی پوری بات سن کر نہیں آئیں تم اسی مہینے کی آخری تاریخوں میں تمہاری رخصتی ہے۔" حنین نے بلی تھیلے سے باہر نکالی۔

"اتنی جلدی نہیں بے بے اتنے آرام سے کیسے مان سکتی ہیں۔" مناہل بے یقینی کا شکار ہوئی

"مانو تم بھول رہی ہو وہ بے بے ہیں کچھ بھی کر سکتی ہیں۔" حنین نے جتایا تو مناہل کو ماننا ہی پڑا واقعی بے بے سے کچھ بھی توقع کی جا سکتی تھی۔

پہلہ ہفتہ تو فرسٹ سیمسٹر کے ایگزام دیتے ہی نکل گیا تھا۔

دوسرے ہفتے شاپنگ پر بھرپور زور دیا گیا تھا۔

ابا جی اکاونٹ بھرتے جاتے اور وہ خالی کرتی جاتیں سونے پر سہاگہ بے بے نے بھی روکا ٹوکا نہیں تھا۔

بے بے دوسرے ہفتے شاپنگ تقریباً مکمل کروا کر لوٹ گئیں تھیں وہ بھی دو روز بعد نارووال واپس جانے والی تھیں جبکہ حنین کی شاپنگ ہنوز باقی تھی۔

اسی سلسلے میں آج دونوں مارکیٹ آئی ہوئیں تھیں۔ مہنگے ڈیزائنر لباس خریدنے نے

بعد حنین مناہل کو گول گپے کھلانے لے آئی تھی۔

شاندار فائیو اسٹار ہوٹل کے مد مقابل کھڑے ہو کر سستی سی ریڑھی سے اپنی بیسٹی کے ساتھ کھڑے ہو کر گول گپے کھانے کا بھی اپنا ہی ثواد ہے۔ بڑا گول گپہ منہ میں رکھتے ہوئے حنین کھلکھلائی ساتھ ہی بمشکل گول گپہ نگلا۔

"آردشیر ہمیں پارلر ڈراپ کرنے والا تھا نہ آیا نہیں اب تک مناہل شام کے سائے پھیل چکے تھے اور ابھی انہیں پارلر بھی جانا تھا۔" مناہل کی ذمے دارانہ سوبر سی روح تلملائی

۔

"نہیں اس کا میسج آیا تھا۔اس کی ضروری میٹنگ ہے نہیں آسکتا ہم خود ہی ٹیکسی سے چلے جاتے ہیں نا تم بل کلیئر کرو میں ٹیکسی روکتی ہوں۔" پلیٹ خالی ہو چکی تھی ہاتھ ٹشو سے **پونچھتے** ہوئے حنین نے جواب دیا اور روڈ کی جانب بڑھی جہاں ٹریفک کا سیلاب امڈا ہوا تھا۔

ٹیکسی کو اشارہ کرتے ہوئے اچانک اس کی نگاہ سامنے ہی ریسٹورینٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکلتی آردشیر پر پڑی تھی۔ اسے دیکھتے ہی حنین کا گلابی مائل چہرہ کھل اٹھا تھا۔ مگر اگلے ہی پل اس کے ساتھ نظر آتی شیزا کو دیکھ کر جیسے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔وجود پر لمحے بھر کو سکتہ طاری ہوا تھا۔

آردشیر اسے چھوڑ کر شیزا سے ملنے گیا تھا۔ اس سے میٹنگ کا بہانہ بنا کر وہ شیزا سے ملنے گیا تھا۔آخر کیا ضرورت تھی جھوٹ بول کر چھپ کر ملاقات کرنے کی بحیثیت کزن وہ اس سے سرعام بھی مل سکتا تھا۔ یقیناً اس کے دل میں شیزا کے لیے کچھ موجود تھا۔ وگرنہ وہ

کیوں اس سے اس طرح ملاقاتیں کرتا جبکہ حنین اچھی طرح سے جان چکی تھی۔ شیزا کیسے کیسے ڈورے ڈالتی رہی ہے۔ آردشیر پر پھپھو نے انہیں کافی باتوں سے آگاہ کر دیا تھا۔

آگے بڑھ کر خود کو ظاہر کرنے کی بجائے وہ خاموشی سے مناہل کے ساتھ وہاں سے چلی گئی تھی۔

جب تک آردشیر کی اس پر نگاہ پڑی ٹیکسی روانگی پکڑ چکی تھی۔ سو وہ بھی سر جھٹکتا عمر کے لیے گفٹ خریدنے مارکیٹ کی طرف بڑھ گیا۔



"شیرو میاں میرے خیال سے اپنے دماغی فطور کے بارے میں تمہیں حنین کو بتا دینا چاہئیے یہ جو تم اسے چھپ چھپ کر پھول چاکلیٹس اور رومانٹک شاعری بھرے خطوط لکھ رہے تھے نا وہ سب ایک دھوکہ تھا۔ انہیں بعد میں پتہ چلے گا تو زیادہ دکھ پہنچے گا بہتر ہے تو ابھی بتا دے اور یہ بھی بتا دے کے یہ سب کچھ کسی ناٹک کی طرح کیا تھا تم نے مگر کھیل کھیلتے کھیلتے تمہارے اپنے دل کا کھیل بن گیا۔"

آردشیر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے باتوں باتوں میں عمر نے آردشیر کو مفت مگر درست مشورے سے نوازا تھا۔

"پاگل ہو گیا ہے۔ اسے خوابوں سے نکالنے کے چکر میں پڑا تھا۔ اور اب خود ہی بے وقوفانہ حرکت کر دوں فلم نہیں ہے جہاں میں ضمیر کی آواز سے بیدار ہو کر اسے جا کے سب سچ سچ بتا دوں سنتے ہی قتل کر دے گی وہ میرا۔"

"اور ویسے بھی ڈرامہ کرتے کرتے اب سچ مچ میں اس کی محبت میں مبتلا ہو چکا ہوں

اس لیے کچھ بتانا ضروری نہیں ہے۔اس کے ساتھ فلرٹنگ کی میری نیت ضرور تھی۔ میں نے فلرٹ کیا بھی مگر میں نے اسے کوئی دھوکہ نہیں دیا عمر میں اسے سنجیدگی کی طرف لانا چاہتا تھا۔سچ ہے سب کچھ مذاق اور شرارت میں شروع ہوا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں وہ میرے دل میں گھر کر گئی ہے۔

اب جب میں اس کے ساتھ کچھ غلط کر ہی نہیں رہا تو پھر اسے کچھ بھی بتا کر میں کیوں اپنا اور اس کا تماشہ بنواوں اور سچ بات ہے میں اس کا دل بھی نہیں دکھانا چاہتا۔"آردشیر نے فوراسر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے اپنا نظریہ بیان کیا جو حقیقت پسندی کی نظر میں کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔

"دھوکہ تو ہے۔ محبت کے نام پر جو خط و کتابت تم نے حنمین سے کی وہ محبت نہیں تھی۔ کہیں نا کہیں اسوقت تم اسکے نازک جذباتوں کا حظ اٹھارہے تھے۔ اور تم نے یہ صراصر زیادتی کی ہے۔ وہ جن باتوں پر مرمٹی ہے۔ وہ سب باتیں ہی جھوٹ کی بنیاد پر رکھی گئیں تھیں یہ جاننا حنمین کا حق ہے۔ تمہیں اس سے معافی مانگنی چاہیئے یہ تمہارا فرض ہے۔ "عمر نے بالکل بھی اتفاق رائے نہیں کیا تھا۔

"وہ عشق کے سفیرا اگر میں نے جا کر اس کو بتایا نا کہ میں نے افسانوں میں ڈوبی ایک معصوم لڑکی کو حقیقت پسندی سکھانے کے لیے اس کے جذبات و کے ساتھ کھیل کھیلا ہے۔ اس کی محبت کا مذاق اڑایا ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے۔ پھر وہ دوبارہ مجھ پر یقین کرے گی قطعی نہیں دو نالی بندوق سے سیدھا میرا سینا چھلنی کر دے گی بہت خطرناک قسم کی لڑکی ہے تو نہیں جانتا اسے میں اسے ایک ہی صورت میں ماضی کا کڑوا سچ بتاوں گا جب وہ پوری طرح

میری دسترس میں ہو گی۔"

ڈرائنگ روم کے باہر کھڑی حنین میں اس سے زیادہ سن کی ہمت نہیں تھی۔ وہ جو عمر سے ملنے کے لیے آئی تھی۔ الٹے قدموں لوٹ گئی۔

حنین کے لیے آردشیر کے ساری باتیں ایک طرف اور اپنے جذبوں کے ساتھ کھیلنے والی اس کی حرکت ایک طرف۔ اس کا دماغ اسی ایک بات پر اٹک کر رہ گیا تھا۔

اندر سکون سے بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے آردشیر کو خبر تک نا ہوئی نٹ کھٹ سی حنین کے دل پر اس انکشاف سے کیا قیامت گزری تھی۔

آردشیر کے سب خط اس نے کس قدر سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔ ایک ایک حف کتنی عقیدت کتنی محبت سے بارہا دوہرایا تھا۔ اور آج اس پر یہ حقیقت افشاں ہوئی تھی۔ کہ وہ صرف ایک تحریر تھی۔ لفظوں سے سینچے گئے چند جملے ان میں محبت، جذبات، چاہت کسی ایک شہ کا شائبہ تک نا تھا۔ گو کے براہ راست دونوں میں کوئی عہد و پیمان نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آمنے سامنے تو دونوں ہی سرے سے انجان بن جاتے تھے۔ مگر ان خطوں میں کچھ تو ایسا تھا۔ جو خاص تھا۔ ایسے خط ہر کسی کو تو نہیں لکھے جاتے تھے۔ اور اب معلوم ہو رہا تھا۔ وہ بس اس کے خیالات کو جھٹلانے کی ایک کوشش تھی۔

کمرے تک آتے آتے چند آنسو ضبط کا بندھ پھلانگ گئے تھے۔ مگر بے دردی سے دونوں گالوں سے رگڑ کر اس نے بہتا پانی صاف کیا اور اپنی پیکنگ کرنے میں مصروف ہو گئی جب محبت تھی ہی نہیں تو پھر وہ ماتم کس چیز کا مناتی۔

مناہل نہا رہی تھی۔ اس لیے اپنے دھواں دھواں ہوتے چہرے پر رنگینی واپس لانے

کے لیے اسے مناسب وقت مل گیا تھا۔ اگلے دن واپس لوٹتے ہوئے دل میں اک کسک سی تھی۔ وہ شہر جسے پرایا سمجھتی رہی تھی۔ یکدم ہی اسکا اتنا اپنا ہو گیا تھا۔ کے وہاں سے لوٹتے ہوئے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ آردشیر انہیں ائیر پورٹ چھوڑنے آیا تھا۔

اس نے کوشش کی تھی کہ وہ حنمین سے بات کر سکے جانے وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ مگر حنمین کچھ بھی سننا نہیں چاہتی تھی اس لیے نو لفٹ کا بورڈ لٹکائے رکھا۔

جانے سے پہلے بڑی مشکل سے موقع پا کر آردشیر نے ایک چھوٹی سی چٹ اور گلاب کا پھول حنمین کے ہینڈ بیگ میں چھپا دیا تھا۔

فلائیٹ کے دوران اس نے ہینڈ فری نکالنے کے لیے جونہی بیگ کی زپ کھولی تازہ گلاب کی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی چٹ ہاتھ لگی تو بحرحال ایک نظر ڈالنی ہی پڑی

"میرے ہونٹوں پہ کسی لمس کی خواہش ہے شدید"

تمہارا مریض عشق

کورے کاغذ پر لکھا جانے والا ایک جملہ ہی حنمین کے تن بدن میں آگ لگا گیا تھا۔ کمینے آردشیر میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں گھٹیا ذلیل دو چار گالیوں سے نوازنے کے دل کو تھوڑی راحت محسوس ہوئی تھی۔

خط سنبھال سنبھال کر رکھنے کے چکر میں ہی تو ہیروئنز کا بیڑہ غرق ہوا کرتا تھا۔ اس لیے حنمین نے آردشیر کے خط سنبھالنے کی غلطی پہلے بھی کبھی نہیں کی تھی۔ مگر آج جس جذبے کے تحت اس نے تحریر لیر و لیر کی تھی۔ وہ سراسر انتقام کا جذبہ تھا۔

لاہور ائیر پورٹ پر اتر کر پھپھو واش روم چلی گئیں جبکہ وہ دونوں ائیر پورٹ کے

باہر ڈرائیور اور پھپھو کی منتظر سی کھڑی تھیں۔

جب حلیے سے اوباش دکھائی دیتا لفنگا سا آدمی پان چباتا ہوا ان کے اردھر د چک پھیریاں کاٹنے لگا۔

وہ دونوں اس کی جانب متوجہ تھیں۔

حسینہ تو کمینہ میں۔ وہ حنین کے پاس آکر بھدی آواز میں گنگنایا۔

آستینیں چڑھاتی حنین فوراہی ڈھیلی پڑ گئی۔

"کیا ہوا دھلائی نہیں کرنی تم نے گدھے کی۔" مناہل اسے دیکھ رہی تھی۔ ٹھٹھک کر پوچھنے لگی۔

"دو چار لگانی تو اسے اسکی بغیرتی و کمینگی پر تھیں مگر میرے بتانے سے پہلے ہی اسے اپنی کمینگی کا نہ صرف ادراک ہے بلکہ وہ اسے تسلیم بھی بخوبی کرتا ہے۔" حنین نے اطمینان سے کہا تو مناہل نے شانے اچکا دیئے فوراہی ڈرائیور بھی آن پہنچا پھپھو لوٹیں تو وہ بائے روڈ نارووال پہنچے گھر آکر دونوں کو ہی تازگی کا احساس ہوا تھا۔ کچھ اتنے عرصے بعد اباجی سے ملاقات نے بھی صحت پر اچھا اثر ڈالا تھا۔

حنین نے خود پر سے افسردگی چادر اتار پھینکی اور اسی شام گھر میں ڈھولک رکھوالی اسکی بہن سنگی ساتھی کی شادی تھی۔ بلاشبہ وہ مناہل کی خوشیوں کے آگے اپنا ہر غم بھلا سکتی تھی۔

"چٹا ککڑ بنیرے تے

کاسنی دوپٹے والیے منڈا اصدقے تیرے تے"

مناہل سکھیوں کے گھیرے میں بیٹھی شرما رہی تھی۔ اور سب ٹپے گا گا کر محفل میں رونق لگائے ہوئے تھے۔

اس سلسلے میں حنین پیش پیش تھی رہی۔ میوزک سننا اور گیت گانا اس کا سب سے پسندیدہ مشغلہ تھا۔



دن پر لگا کر اڑے تھے۔ اور مہندی کا دن چڑھ آیا پورا گھر برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ کھلے بڑے سے آنگن میں اسٹیج سجا کر پورے فنکشن کا انتظام کیا گیا تھا۔ تازہ ترین موتیے کے پھولوں کی سجاوٹ سے پورا گھر بھینی بھینی خوشبو میں مہک رہا تھا۔

عمر اینڈ فیملی تمام مہمانوں سمیت صبح سے پہنچ چکے تھے۔ حنین اور آردشیر کی مشترکہ کوششوں سے مہندی کا فنکشن کمبائین ہی رکھا گیا تھا۔

عصر کی نماز کے بعد ہی سب کی تیاریاں عروج پر پہنچ گیئیں تھیں مناہل دو دن سے مایوں بیٹھی ہوئی تھی۔

عمر اینڈ فیملی کو ملکوں کی حویلی میں ٹھہرایا گیا تھا جہاں ان کی خوب ہی آو بھگت جاری تھی۔ ابا جی دن بھر وہیں ان کی مہمان نوازی میں ہی جتے رہے تھے۔

پھپھو اور آردشیر ان کے ہاں ہی رکے تھے۔ مغرب کے بعد دھوم دھام سے مہندی ہونے والی تھی۔ حنین اور آردشیر کا سامنا ہوا تھا۔ مگر سب کی موجودگی کی بدولت آردشیر حنین سے کوئی بھی بات چیت کرنے میں ناکام ہی رہا تھا۔

حنین مناہل کا شام میں پہنے جانے والا موتیوں سے سجا خوبصورت جامنی میکسی بڑی

احتیاط اور سلیقے سے پریس کر رہی تھی۔

جب تیزی سے زینہ طے کر کے آردشیر نیچے اترا اور اسے سامنے پاتے ہی اس کی جانب بڑھا۔

"حنین میرے کرتے کا بٹن ٹوٹ گیا ہے لگا دو گی پلیز۔" کرتا ہاتھ میں لیے وہ حنین سے مخاطب تھا۔

"نہیں۔" حنین نے تمام تر لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے ٹکا سا جواب دیا تو آردشیر کا منہ مارے حیرت کے کھلا۔

"گھر آئے مہمان کو یوں صاف انکار کر دیتے ہیں تمہارے ہاں۔" آردشیر نے شاکی لہجے میں کہا۔

"گھر آئے مہمان اگر آپ جیسے دھوکے باز اور لوگوں کے جذبات کا مذاق بنا کر اپنی انا کو تسکین پہنچانے والے ہوں تو ہاں میں ان کے ساتھ ایسا ہی رویہ رکھتی ہوں۔" اپنے کام میں مسلسل مصروف حنین نے گویا آردشیر کی طبعیت درست کرنے کے لیے جواب گھڑ رکھے تھے۔

"کیا مطلب ہے تمہاری بات کا۔" آردشیر نے **ٹھٹھکتے** ہوئے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"مطلب آپ اپنے آپ سے پوچھیں کیونکہ اگر میں نے کچھ کہا تو آپ برداشت نہیں کر سکیں گیں بس اتنا کہنا چاہتی ہوں آپ میری زندگی کا وہ تلخ باب ہیں جسے میں اب بند کر چکی ہوں سو بار بار کھولنے کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔" انتہائی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتی حنین

آردشیر کا سکون غارت کر گئی تھی۔

"لیکن میں اس طرح کی ذو معنی گفتگو کا صد باب جاننا چاہتا ہوں۔" آگے بڑھ کر آردشیر نے اپنے اور اس کے درمیان موجود قدم بھر کے فاصے کو مٹاتے ہوئے اس کی کھن کھن کرتی چوڑیوں سے بھری نازک کلائی اپنے مضبوط ہاتھ میں تھام لی تھی۔ حنین پر گویا سکتہ ہی طارہ ہو گیا تھا۔

"ہاتھ چھوڑیں۔" اگلے ہی پل وہ دبی دبی آواز میں غرائی۔

"پہلے صاف صاف بات کرو۔" آردشیر کا انداز چیلنجنگ تھا۔ جیسے وہ بات کیے بغیر ہاتھ چھوڑنے یا وہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نا رکھتا ہو حنین نے خوفزدہ ہونا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس لیے چند پل اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے گھورتی رہی۔

"کیا چاہتے ہیں آپ؟۔"

"محبت؟" جذبے لٹاتی نظروں نے فرمائش کی تھی۔

"کسے بیوقوف بنا رہے ہیں آپ محبت کا جو ڈرامہ آپ نے میرے ساتھ رچایا تھا۔ اس کی حقیقت بیت پہلے مجھ پر واضح ہو چکی ہے۔ آپ کی زبانی ہی میں آپ کے کارناموں کا اعتراف سن چکی ہوں اور کیا کہہ رہے تھے۔ آپ عمر بھائی سے کے حنین کو کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں؟ کیا لگتا ہے۔ آپ کو آپ کے چند جھوٹے جذبات سے عاری خط پڑھ کر میں آپ کے عشق میں ڈوب جاوں گی اور آپ کی اصلیت جان کر ٹھوکر کھا کر محبت کر یقین کرنا چھوڑ دوں گی آپ غلط تھے مسٹر آردشیر آپ کی باتیں سن کر یقینا لوگوں پر بہت جلد اعتماد کر لینے کی اپنی عادت ضرور بدل لی ہے میں نے مگر میں ٹوٹی نہیں بکھری نہیں محبت پر اب بھی

یقین ہے مجھے عمر بھائی نے بھی تو محبت کی ہے اور نبھائی بھی ہے دوستروں کی طرح گیمز نہیں کھیلیں میں اب بھی محبت کی خواہش کرتی رہوں گی لوگوں کی چالیں مجھے اس سب سے نہیں روک سکتیں۔" وہ تو پھٹنے کو تیار بیٹھی تھی۔آردشیر شعلوں کی برسات ہی کرفی وہ بیچارہ حق دق سارہ گیا اپنے آپ ہی حنین کی کلائی اپنی مٹھی سے آزاد کردی اور خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیر کر بولا۔

"میں مانتا ہوں آغاز میں میں نے سب کچھ پلاننگ کے تحت کیا تھا۔ لیکن تقدیر نے میرا اوار مجھ پر ہی الٹا دیا ہے حنین میں دھوکے باز نہیں ہوں۔"

"یہ صفائیاں آپ مجھے مت دیجئے جا کر اپنی دوغلی باتوں کے جال میں شیزا کو پھنسایئے آج کل اسی کے ساتھ گھوم پھر رہے ہیں خیر سے اس کے ساتھ بھی فلرٹ کر رہے ہیں یا شادی کا منصوبہ بنالیا ہے؟" حنین کی کاٹ دار نظریں محسوس کر کے آردشیر کو شدت سے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

"شیزا کے ساتھ فلٹ کرتے کب دیکھ لیا تم نے مجھے میں مانتا ہوں تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے میں نے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کے تم مجھ پر ہر ایک کے ساتھ فلرٹ کرنے کا الزام لگاو اور میں چپ چپ سنتا رہوں۔" آردشیر نے اپنے حق میں احتجاج کرنا چاہا۔

"اچھا تو پھر ہم سے میٹنگ کا بہانہ کر کے شیزا سے ملنے اس ہوٹل میں کیوں گئے تھے۔" وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اس سے جواب طلبی کر رہی تھی۔ جو سرے سے واقع کی نوعیت سے بے خبر تھا۔

"کب کونسا ہوٹل۔" وہ جھنجھلایا آخر یہ حنین کیا کہہ رہی تھی۔

23" ستمبر شام پانچ بج کر تیرا منٹ پر آپ شیزا کے ساتھ فائیو سٹار ہوٹل سے برآمد ہوئے تھے۔" حنین کے رٹو طوطے جیسے جملے پر آردشیر کے دماغ میں ماضی کی بلیک اینڈ وائیٹ فلم سی چلنے لگی تھی۔ دھیرے دھیرے سب یاد آتا چلا گیا تھا۔

"دیجیے دیجئیے دماغ پر اچھی طرح سے زور دیجئیے کھوئی ہوئی یادداشت واپس لوٹ آئے گی۔" طنز کرتی حنین منظر سے غائب ہو گئی تھی۔

آردشیر لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔



مہندی خوش اسلوبی سے اپنے انجام کو پہنچی تھی۔ چودھویں کی رات تھی۔ حنین چھت پر مہمانوں کے بستر لگانے کی غرض سے آئی تھی۔ یہ چاندی بھی جانے کہاں کھپ گئی ہے۔ اسے وہاں کھڑے مدد کے لیے آنے والی چاندی کا انتظار کرتے کرتے دس منٹ گزر چکے تھے۔ بری طرح تپ کر جب وہ اسے آواز دینے سیڑھیوں کی جانب بڑھی تو سیڑھیاں پھلانگ کر تیزی سے اوپر آتے آردشیر کو دیکھ کر رک گئی

وہ ابھی تک شام کو پہنے جانے والی دھانی کلر کی گھیر دار فراک میں ملبوس تھی۔ واٹر پروف میک اپ جوں کا توں چہرے پر جما اس کے حسن کے شعلوں کو مزید بھڑکا رہا تھا۔ البتہ جیولری وہ اتار چکی تھی۔ بس جب چلتی تو پیروں میں بندھی پائل چھن چھن کا شور مچاتی کئیوں کو اسکی بے پرواہ چال کی جانب متوجہ کر جاتی۔

آردشیر نے بڑی خوبصورت دھن میں سیٹی بجا کر اسکا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے اس کے حسن کو خراج پیش کیا جیسے دونوں کے تعلقات خوب اچھے ہوں۔

"مرتا ہوں سادگی پہ کہ فطرت کا حسن ہے
میرے کیے نا خود کا سنوارا کرے کوئی"

حنین پیر پٹخ کر مڑی تو پشت سے شعر اڈا۔

وہ جلتی کلستی رہی مگر چپ چاپ اپنے کام میں مصروف رہی۔ چاندی کی آمد کے باعث دونوں میں مزید کوئی بات چیت تو نہیں ہو پائی تھی البتہ ہوا خوری کے بہانے آردشیر پورا وقت اس کے ارد گرد ہی منڈلاتا رہا تھا۔ یوں بھی وہ اسی پورشن کے گیسٹ روم میں ٹھہرا ہوا تھا۔ حنین اسے نیچے جانے کا نہیں کہہ سکتی تھی۔

اس لیے کام ختم کرتے ہی پہلی فرصت میں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی باقی کی رات اس کی نظروں کی تپش یاد کر کے جلتے بلتے ہی گزر گئی تھی۔

آنے والا دن مناہل اور حنین کے لیے خوشیوں کے نئے رنگ نئی زندگی کی نئی امید بن کر طلوع ہوا تھا۔ اس لیے اس دن کا جشن منانے کے لیے سب کی تیاریاں عروج پر پہنچی ہوئیں تھیں۔ پورے پنڈ کی دعوت آج ان ہی کی طرف تھی۔ چوہدری صاحب کے سارے ملازم حرکت میں تھے۔

دوپہر ڈھلنے تک مناہل عروسی لباس میں دلہن بنی اپنے پیا کی منتظر بیٹھی تھی۔

"مانو تو بڑی بے وفا ہے۔ اکیلے اکیلے شادی کروا رہی رہی ہے۔" حنین نے مصنوعی ناراضگی سے منہ پھلا کر کہا۔

"بھئی تیرا ہیرو ہی نہیں ملا اب بھلا میں معصوم اس میں کیا کر سکتی ہوں۔" مناہل نے بے پرواہی سے کہا۔

"مل گیا تھا پر پھر کھو گیا۔" حنین کہہ نہ سکی۔

"مانو یو مجھے چھوڑ کے چلی جائے گی۔" حنین پر کچھ دنوں سے بے کلی اور اداسی طاری تھی مناہل نے بھی بطور خاص نوٹس کیا تھا۔

"میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔" مناہل نے کرسی سے اٹھ کر بیڈ پر منتقل ہوتے ہوئے اپنا غرارہ سنبھالا

"کیا؟" حنین کا پوچھنا گویا واجب تھا۔

"تو میرے ساتھ جہیز میں چل۔" شرارت سے مناہل کی آنکھیں چمک رہی تھیں

"رہنے دے تو نے سنا نہیں جہیز ایک لعنت ہے۔" حنین نے منہ بسورا تو مناہل کھلکھلا کر ہنس دی۔

اسی پل دروازے پر دستک دے کر مولوی صاحب ابا جی اور بے بے سمیت گواہان کے اندر داخل ہوئے تھے۔

"عمر حسن ولد حسن احمد"--------------- نکاح شروع ہوا مولوی صاحب نجانے کیا کیا کہہ رہے تھے۔ پر وہ دونوں تو عمر حسن پر ہی اڑ گئیں تھیں بے بے کے ٹہوکا دینے پر مناہل نے ہاں میں سر ہلا دیا اللہ اللہ کر کے نکاح ہوا۔

"دوسرا نکاح شروع کریں۔" ابا جی کی آواز نے حنین اور مناہل دونوں پر بم گرایا تھا۔

"کس کا نکاح۔" پھٹی پھٹی آنکھوں سے حنین نے بے بے سے پوچھا۔

"تیرا اور آردشیر کا نکاح پتر۔" بے بے نے بڑے پیار اور شفقت سے اس کے سر پر

ہاتھ پھیرتے ہوئے بتایا تو حنین چوں چراں نا کر سکی۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس کا نکاح آرد شیر سے ہو گیا تھا۔ وہ حیرت کے سمندر میں غرق تھی۔

"بنا بتائے بنا پوچھے بے بے ایسا کیسے کر سکتی ہیں۔" حنین کی سوئی اسی بات پر اٹکی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ دونوں کمرے میں اکیلی تھیں۔

"وہ بے بے ہیں اور بے بے کچھ بھی کر سکتی ہیں۔" مناہل اطمینان سے بولتی ہوئی مسکرائی تھی۔

"مجھے تو اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ ہماری شادی ایک ہی دن ہوئی ہے ہم نے سب کچھ آج تک ہمیشہ ساتھ ساتھ کیا ہے۔ شاید اسی لیے تقدیر نے ہمارا اتنا اہم دن بھی ایک ہی مقرر کر دیا۔" مناہل کی خوشی قابل دید تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں رخصتی کا شور اٹھا تھا۔ سب سے وداع لیتے ہوئے مناہل کی پلکیں بار بار بھیگتی رہی تھیں۔ حالانکہ حنین نے اسے بارہا تاکید کی تھی کے رونا مت میک اپ خراب ہوا تو چڑیل لگو گی کہیں پہلے ہی دن تمہارا دلہا اپنے فیصلے پر پچھتانے ہی نا لگے مگر یہ وقت اور جذبات کوئی بھی لڑکی لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی اپنا آنگن چھوڑ کر کسی اور کی زندگی سنوارنے کے احساس کا اظہار صرف آنسوؤں سے کیا جا سکتا ہے۔

عمر پجارو کی پچھلی نشست پر اس کے برابر ہی بیٹھا ہوا تھا۔ گاڑی ائیر پورٹ کی طرف گامزن تھی۔

"مولوی صاحب نے نکاح کے وقت آپکا نام عمر حسن کیوں بتایا تھا۔" مناہل سے

مزید صبر نا ہو سکا۔

"کیونکہ میرا نام عمر جہانگیر نہیں عمر حسن ہی ہے۔" بڑے سکون سے کہا گیا مناہل اسے گھورنے لگی تو اس پر ذرا سا جھکا۔

"یہ فسانہ تو نہیں حقیقت ہے جان جاں۔" دھیمے سر بکھیرتا عمر اس کے دل میں اتر رہا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اس سے خفگی کا اظہار نا کر پائی۔

"آپ کو مجھ سے جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا۔" اب کے مناہل کا لہجہ نرمی لیے ہوئے تھا۔ آردشیر نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اپنا دوسرا بازو اس کے شانے کے گرد حمائل کر کے اسے خود سے قریب کیا تھا۔ وہ مناہل کی تیز ہوتی دھڑکن کو محسوس کر سکتا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" بڑے دل سے معافی مانگتے ہوئے عمر نے کھلے دل سے اپنی غلطی تسلیم کر لی تھی۔ مناہل کے دل پر محبت کے ٹھنڈے ٹھنڈے چھینٹے پڑے تو وہ بھی سارے شکوے بھلا بیٹھی ویسے بھی جو بھی تھا۔ عمر تو تھا نا!



بارات کی روانگی سے کچھ دیر بعد ہی پھپھو اور آردشیر وغیرہ نے بھی کراچی کے لیے نکلنا تھا۔ حنین تازہ تازہ واردت پر مخمصے میں گھری ہوئی تھی۔ آخر یہ آردشیر سے اسطرح ہنگامی حالات میں اس کا نکاح کیوں ہوا تھا۔ کسی نے آردشیر کو مجبور کیا تھا۔ یا پھر یہ ساری اسی کی بچھایا جال تھی۔ وہ دہلیز کو تکتی آنگن میں لگی بیری کی چھاؤں میں کھڑی تھی۔ اچانک کسی نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر درخت کی اوٹ میں کھینچا تھا۔ اگر اس کے اوسان پہلے سے خطا نا ہوتے تو یقیناً وہ چلاتی۔

"تم۔"آردشیر کو دیکھ کر حنین کی پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"آپ کہو بدتمیز لڑکی اب میں تمہارا شوہر ہوں اور میری عزت کرنا تم پر واجب ہے۔ویسے پہلے تو بڑے ادب سے آپ آپ کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔"

نکاح کا فیصلہ یقیناً اس کی مرضی سے ہوا تھا۔تب ہی تو وہ اس قدر چہک رہا تھا۔

"ادب سے تو کبھی نہیں بلایا۔"حنین ایسی صورتحال میں بھی تردید کرنا نہیں بھولی تھی۔۔

"پوچھ سکتی ہوں یہ جو نئی چال چلی ہے اس کا مقصد کیا ہے؟" تیکھی نظراپں اس پر جمائے حنین نے چوٹ کی تو وہ فرمانبرداری سے سر کو ہاں میں جنبش دینے لگا۔

"اتنی جدوجہد کا صرف ایک ہی مقصد ہے۔تمہاری اور میری محبت کی تکمیل۔"

"میں آپ سے محبت نہیں کرتی۔"حنین نے دانت پیس ڈالے گویا وہ اسے سالم ثابت کو دانتوں میں مسل رہی ہو۔

"دماغ سے تم بالکل فارغ ہو بیوی اگر تمہارے ساتھ فلرٹ کر رہا ہوتا تو کیا میں تم سے نکاح کرتا وہ اس کی آنکھوں آنکھیں ڈالے اس سے پوچھ رہا تھا۔" نظروں کی آنچ سے حنین کا دل پگھلنے لگا تھا۔کچھ دماغ کی کھڑکی بھی کھلی واقعی اگر وہ بس اسے بے وقوف بنانا چاہتا تو یقیناً اب تک وہ کامیاب ہو چکا تھا۔دور دور سے تالیاں بجاتا رہتا میدان میں کود کر نکاح جیسا تعلق کیوں قائم کرتا۔

"میں تمہیں زیادہ تو کچھ صفائیاں نہیں دے سکتا اور میں ایسا کروں گا بھی نہیں کیونکہ اب میں چاہتا ہوں تم مجھ پر بھروسہ کرو اپنے دل پر ہاتھ رکھو۔" کہتے ساتھ ہی آردشیر نے

اپنی مٹھی میں بھینچا ہوا حنین کا ہاتھ اس کے سینے پر عین دل کی جگہ پر جما دیا۔" اب کہو حنین کیا میری نظروں سے چھلکتی محبت جھوٹ ہے۔ کیا میرا اور تمہارا ازدواجی تعلق جھوٹ ہے۔ کیا میں تمہیں فریب دے رہا ہوں۔" آردشیر چاہت بھرے لہجے میں اس سے سوال کر رہا تھا۔ آردشیر کا یقین دیدنی تھا۔ جیسے وہ جانتا ہو حنین اس کے ہر بات کا جواب حسب منشائی ہی دے گی۔

وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے سچ کا پورا پورا تعین کر چکے تھے۔ مگر کچھ بھی کہنے سننے کہ نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ بے بے کی پے در پے پکاروں کا اثر تھا۔ حنین الٹے پاؤں اندر بھاگی اس کے بعد آردشیر سے اکیلے میں بات کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ البتہ پورا وقت وہ اس پر نگاہیں جمائے رہا تھا۔ وہ بلا کی کانفیڈینس والی لڑکی ازحد نروسنیس کا شکار رہی تھی۔

جانے سے پہلے آردشیر نے چاندی کے ہاتھ حنین کو رقعہ بھجوایا تھا۔ جسے دیکھ کر ہی حنین کا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ اسوقت توپڑھنا ممکن نہیں تھا۔ مگر رات کو فراغت اور تنہائی پاتے ہی حنین خط لے کر بیٹھ گئی

ہمیشہ کی طرح کاغذ پر آردشیر کی موتیوں جیسی خوبصورت لکھائی بکھری ہوئی تھی۔

"پیاری حنین

تم افسانے پڑھنے اور خوابوں میں کھوئی رہنے والی سادہ سی کب میرے دل میں آبسی کچھ خبر ہی نہیں ہوئی، میں چلا تھا محبت کا مذاق اڑانے اور محبت نے میرا ہی مذاق بنا کر رکھ دیا پہلے جب میں دھوکہ دے رہا تھا۔ تم مجھے سچا سمجھتی رہیں اور آج جب میں سچ بول رہا ہوں تو

تمہاری آنکھوں میں شک و شبہات کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دیا ہمارے رشتے کی بات ہمارے بڑے پہلے ہی طے کر چکے تھے۔ مگر یہ ایمرجنسی کا نکاح صرف اور صرف میری ضد اور خواہش تھی۔ میں اپنی محبت ثابت کرنا چاہتا تھا۔اور نکاح سے بہترین راستہ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔آج میں پورے دل سے تم سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہوں وہ تم ہی ہو جس نے میرے دل کا قرار لوٹا ہے۔ اپنے کیے پر میں نادم ہو کر تم سے معافی مانگتا ہوں معافی کی صورت تم مناہل کے ولیمے کے بعد واپس میرے گھر ارے نہیں ہمارے گھر رہنے آؤ گی ٹھیک پہلے کی طرح جیسے تم پہلے میرے سامنے والے کمرے میں رہتی تھیں۔اور چپکے چپکے میرے کمرے میں جھانکا کرتی تھیں۔ تمہیں کیا لگا میں انجان تھا۔ میں تمہارے دل کی ہر خبر سے باخبر ہوں

"کیوں آئیں بائیں شائیں کروں اس سوال پر

ہاں میں فریفتہ ہوں تیرے خدوخال پر"

تمہاری جدائی کے پل گن گن کر گزارتا تمہارا

"مریض عشق"

سادہ سی عبارت پڑھ کر حنمین کے گال تمتما اٹھے تھے۔وہ جوں جوں خط پڑھتی گئی تھی دل پر جمی غلط فہمیوں کی کثافت چھٹتی چلی گئی یوں بھی اسے خوامخواہ کی اکڑ دکھانے والی ہیروئنز سخت ناپسند تھیں۔ اس لیے آردشیر کا خط سینے سے لگائے اچھل کود کرتی خوشی کو سنبھالنے کی کوشش میں بے حال حنمین نے پورے دل سے اسے معاف کر دیا تھا۔ان سب خطاوں کے لیے جو اسے اس کے عشق میں مبتلا کر گئیں تھیں۔

دور کہیں ویرانوں کا مسافر آردشیر بھی زندگی کی مہربانیوں پر اس کا شکر گزار ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ختم شُد

اس قسط پر آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔۔